برہان پور میں اردو نثر نگاری

ماضی اور حال کے آئینے میں



پروفیسر وسیم افتخار انصاری

برھان پور میں اردو نثر نگاری

ماضی اور حال کے آئینے میں

پروفیسر وسیم افتخار انصاری



نام کتاب : برہان پور میں اردو نثر نگاری (ماضی اور حال کے آئینے میں)

نام مؤلف : پروفیسر وسیم افتخار انصاری

تعداد : ۶۰۰ / چھ سو

صفحات : ۱۴۴ / ایک سو چوالیس

قیمت : سو روپے (₹ 100)

سن اشاعت : نومبر ۲۰۱۲ء

کمپوزنگ / سرورق : شاہد رضا جعفری

پروف ریڈنگ : ڈاکٹر سجاد جعفری

طباعت : سیدہ گرافکس، جعفری امام خانہ، ڈاکٹر ذاکر حسین وارڈ
مومن پورہ، برہان پور (093032-75540)

ملنے کا پتہ : رشید بک ڈپو، منڈی بازار، برہان پور
بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال
پاپولر بک ڈپو، بڑوالی چوکی اندور
ڈاکٹر ایم طالب انصاری، ۱۵/۳، رانی پورہ، اندور
Mob. 097542-37138
حاجی افضال احمد انصاری، مومن جماعت خانہ روڈ
انصار نگر، برہان پور، Mob. 096912-18977

انتساب

دادا صدیق اکبر

اور

والدین افضال احمد، سعیدہ فرحت

کے نام

جن کی دعائیں اور شفقتیں

ساون و بھادوں کی طرح برستی رہتی ہیں۔

فہرست

فہرست

فہرست

پیش لفظ

برہان پور زمانۂ قدیم سے علم وفن، حکمت و دانش اور سیاست و تمدن کا مرکز رہا ہے۔ مغل سلطنت سے قبل فاروقی سلاطین کا دور حکومت رہا ہو یا مغل حکمراں کا دورِ زرّیں، ہر عہد میں اسے علمی، تہذیبی اور سیاسی بالا دستی حاصل رہی ہے۔ آصف جاہی، مرہٹہ اور انگریزی عہد میں بھی یہاں علم وادب کی شمع روشن رہی۔ یہ سب اس لئے بھی ہوا کہ برہان پور کو ہر عہد حکومت میں مرکزیت حاصل رہی اور یہاں علماء و دانشوروں کا ورود و قیام ہوتا رہا۔ ان کی علمی وادبی محفلوں سے ایک زمانہ مستفیض ہوتا رہا... جس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ اور اسی بنا پر یہاں علم وادب کا ایک ستھرا مذاق پایا جاتا ہے۔

برہان پور کی علمی وادبی فضا میں چنداں تبدیلیاں اس وقت رونما ہوئیں۔ جب ۱۸۵۷ء کے بعد شمالی ہند کے بنکر (پارچہ باف) اور دکن کے مسلم وقت کے طوفانی حالات کا شکار ہو کر یہاں آ کر اقامت پذیر ہو گئے۔ ان کے اشتراک اور امتزاج سے جو شعر وادب وجود میں آیا، اس کی خوشبو دنیائے اردو ادب کے ہر خطے اور علاقے میں محسوس کی جانے لگی۔

مُرورِ ایّام کے ساتھ یہاں کی حکومتوں میں نشیب و فراز آتا رہا۔ لیکن گلستانِ علم وادب کی شادابی اپنے خسروی مذاق کے ساتھ ارتقاء کے منازل طے کرتی رہی... یہی سبب ہے کہ یہاں عربی، فارسی، سنسکرت اور اردو ہر زبان میں تصنیف و تالیف کا کام ہوتا رہا اور آج بھی شعر وادب کی تخلیق کا سلسلہ جاری ہے۔

برہان پور کو اگر چہ علمی، ادبی، سیاسی اور تمدنی اعتبار سے ہر عہد میں مرکزیت حاصل رہی ہے لیکن اہلِ دانش کی نگاہیں اس طرف کبھی مبذول نہیں ہوئیں، جس کے سبب خصوصاً اردو نثری ادب پر وقت کی گرد جمتی رہی۔ چنانچہ ہمیشہ یہ شہر عوام و خواص کی نظروں سے دور رہا۔ اس کمی کا احساس ہی اس مقالے کی تحریک و تحریر کا سبب بنا۔

میں حصولِ علم کے سلسلے میں اندور آیا، تو میرا قیام پھوپھی ڈاکٹر شائستہ اختر انصاری زوجہ ڈاکٹر ایم. طالب انصاری کے یہاں رہا۔ ڈاکٹر ایم. طالب انصاری نے ڈاکٹر حدیث انصاری صاحب (صدر شعبۂ اردو آئی. کے کالج اندور) سے ملاقات کا موقعہ فراہم کیا۔ گفتگو کے دوران میں نے ایم۔اے (اردو سے) کرنے کا خیال ظاہر کیا، تو آپ نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ پہلے علی گڑھ بھیجا، لیکن تاخیر کے سبب جب

وہاں داخلہ نہ ہوسکا تو اسلامیہ کریمہ کالج میں داخلہ لینے کی اجازت دیتے ہوئے اس مقالے کی تحریر کی طرف راغب کیا۔ اوّلاً ''ڈاکٹر شیخ فرید: حیات، شخصیت اور فن'' پر کام کرنے کا مشورہ دیا، لیکن مواد کی فراہمی نہ ہونے اور اندور: برہان پور کئی بار آمد و رفت میں ہوئی تاخیر کے سبب ''برہان پور میں اردو نثر نگاری: ماضی اور حال کے آئینے میں'' عنوان پر مقالہ تحریر کرنے کی اجازت دے دی۔ ماہ ستمبر ۲۰۰۳ء کے آخر میں عنوان منتخب ہوا اور دسمبر (۲۰۰۳ء) میں مقالہ یونیورسٹی میں داخل کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ مقالہ انتہائی قلیل عرصے میں (جس کی کُل مدّت ۳ ماہ ہے) تحریر کیا گیا ہے۔

مقالہ ''برہان پور میں اردو نثر نگاری ماضی اور حال کے آئینے میں'' پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں برہان پور کا وجود، وجہ تسمیہ، محل وقوع، آباد ہونے کی تاریخ و تفصیل، آب و ہوا اور موسم، صنعت و حرفت اور سلاطین کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں برہان پور کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کا عہد بعہد جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالے کے تیسرے باب میں آزادی سے قبل یہاں کے اردو نثر نگاروں کے ساتھ عربی اور فارسی کے مصنفین کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ چوتھے باب میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۰ء تک کے اردو کی مختلف اصناف نثر میں کاوشیں کرنے والوں کی تخلیقات و تالیفات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ پانچوے باب میں ۱۹۷۱ء سے دورِ حاضر تک کے اردو کے اہم نثر نگاروں کے نثری تجربات کو بحث کا موضوع بنایا گیا ہے اور ان کی رفتار و سمت سے بات کی گئی ہے۔ چوں کہ یہ مقالہ Dissertation ایم۔اے اردو سالِ آخر کے لئے تحریر کیا تھا، اس لئے اس میں نثر نگاروں پر مختصراً تبصرہ کیا گیا ہے۔ مقدمے کے ذریعے اس تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انشاء اللہ اجمالاً تفصیل پی ایچ ڈی کے مقالے بعنوان ''نماڑ میں اردو نثر نگاری'' میں پیش کی جائے گی۔

اس مقالے کی ابتداء اور تکمیل تک کے دشوار گزار مراحل میں جن حضرات نے میری معاونت فرمائی، میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ اس سلسلے میں اولاً استادِ گرامی ڈاکٹر حدیث انصاری صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مقالے کی فکری تحریک میں جذبہ و شوق کے ساتھ میری ہر قدم پر راہ نمائی فرمائی نیز لکھنے کا سلیقہ سکھایا۔ میں اپنے دادا مرحوم صدیق اکبر، والدین، بھائی عبدالقیوم، شاہد ندیم، شمعون فیضان اور بہن محسنہ فرحت زوجہ انور حسین انصاری، شریکِ حیات شبانہ نکہت، فرزندان اشمل رضوان اور حارث اخلاص کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ جن کی تربیت نے مجھے اس قابل بنایا، میری ذمہ داریوں کو

اپنے سر لے کر بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا، اور حصول علم کے لئے وقت، موقع اور ہر ممکن سہولیات فراہم کیں۔

میں شکر گذار ہوں استاد جمیل اصغر، منصور احمد ابواللیث (نانا جان) مولانا شریف الدین ناشر، مولانا کلیم اشرف حبیبی، پرائمری کے جعفر جناب مڈل کے سید منور علی، ڈاکٹر سید شرف الدین پیرزادہ، ہائی اسکول کے امانت اللہ انصاری، زاہد وارثی، شبیر احمد انصاری، سعید احمد انصاری، فیروز الدین جاگیردار، شیلیش کمار راوت، ڈاکٹر محمد شفیع، قیصر جمال، ڈاکٹر شیخ شکیل، مولانا عبیدالرحمٰن اعظمی، مولانا محمد محسن اور ڈاکٹر سجاد حسین جعفری صاحبان کا، جن کی دعائیں اور مشورے ہمیشہ حوصلے بڑھاتے رہے۔ ساتھ ہی مخدوم جابر برہانی، اختر پرویز، ایڈوکیٹ سراج احمد انصاری، ڈاکٹر ذوالفقار عباس جعفری، ایڈوکیٹ خلیل احمد انصاری، سید فاروق احمد راحیل، شاہد رضا جعفری، ڈاکٹر اعجاز انور انصاری، پھوپھی ڈاکٹر شائستہ اختر انصاری اور پھوپھا ڈاکٹر ایم. طالب انصاری کا بھی شکر گزار ہوں، جنہوں نے ہر قدم پر معاونت کے ساتھ میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں اپنے تمام اساتذہ اور تمام احباب و اقارب خصوصاً رفیق احمد انصاری، افتخار احمد انصاری اور محمد آصف انصاری کا بھی مشکور ہوں، جنہوں نے اس مقالے کی تکمیل میں ہر ممکن مدد فرمائی۔

الحمدللہ اب یہ مقالہ قارئین کے سپرد کرتا ہوں۔

مقالہ نگار

پروفیسر وسیم افتخار

برہان پور میں اردو نثرنگاری .... پر ایک نظر

زندہ، بیدار اور ترقی یافتہ قومیں اپنے بزرگوں کے کمالات اور امتیازات کو نہ صرف یہ کہ یاد رکھتی ہیں بلکہ ان کی بازیافت اور دریافت میں بھی ہمیشہ سرگرداں رہتی ہیں، کہ اس خوشگوار روایت سے دنیا کو فیض پہنچے، ایامِ ماضی سے اپنا رشتہ مربوط رہے اور اپنے شاندار ماضی اور اس کی روایت پر فخر کا شرف حاصل ہو، نیز اس کی روشنی میں حال کی تزئین و آرائش ہو اور اپنے مستقبل کو بھی روشن و تابناک بنانے کی فکر وسعی کی جائے اور نئی نسل میں اس شاندار روایت پر چلنے کا ذوق و شوق پیدا کیا جائے۔ ایک ایسی ہی کوشش پروفیسر وسیم افتخار انصاری نے 'برہان پور میں اردو نثر نگاری: ماضی اور حال کے آئینے میں' کی شکل میں پیش کی ہے۔

یوں تو سو، سوا سو سال کے عرصے میں تاریخِ برہان پور اور اس سے متعلق موضوعات پر روشنی ڈالی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں مضامین و مقالات، کتابچہ اور تصانیف وغیرہ منظرِ عام پر آتے رہے ہیں۔ لیکن اب تک کی تمام تحقیقی کاوشیں مختصر اور نا تمام ہی کہی جائیں گی۔ اور یہ کہ برہان پور کی کوئی مکمل اور تفصیلی تاریخ ابھی تک تحریر نہیں کی جا سکی ہے۔ اس میں بھی اہلِ تحقیق نے جس طرف سب سے زیادہ توجہ دی وہ شعری و ادبی تاریخ ہے۔ تاریخ کے باقی شعبہ جات مثلاً سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی و ثقافتی وغیرہ کچھ زیادہ ہی تشنہ اور توجہ طلب رہے۔ ادبی سرمایہ میں بھی شاعری پر تو خاطر خواہ کام ہوا مگر حصۂ نثر کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا جسے کسی بھی طرح مناسب نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے اب تک اس کمی کا احساس ہوتا تھا۔

علمی و ادبی اور تاریخی اعتبار سے شہر برہان پور کو کئی معنوں میں اوّلیت، قدامت اور انفرادیت حاصل ہے۔ مگر اس کے شایانِ شان نہ صرف یہ کہ تحقیقات نہیں کی گئی اور نہ ادب و تاریخ میں سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ اس شہر کی علمی و ادبی خدمات پر خاطر خواہ نظر ڈالنا تو دور کی بات ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہان پور کے شعر و ادب پر تلاش و تحقیق کرنا صرف اہلِ برہان پور ہی کی ذمہ داری ہے۔ گو کہ اس علاقہ کے شاندار ماضی اور اس کے علمی و ادبی اور تصنیفی کارناموں سے مشاہیرِ اردو اور اہلِ ادب کی بے اعتنائی چہ معنی دارد ! ایسی صورتِ حال میں پیشِ نظر تحقیقی مقالہ کی اہمیت و معنویت مزید بڑھ جاتی ہے اور ایسی کوشش کسی تازیانہ سے کم نہیں کہی جا سکتی۔

پیشِ نظر تحقیقی مقالہ پروفیسر وسیم افتخار انصاری نے ایم۔اے کی سند کیلئے سپردِ قلم کیا۔

مطالعہ کے بعد بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ قلیل مدت میں ایک وقیع کام ہوا ہے۔ برہان پور کے ادبی سرمایہ پر اب تک جتنی بھی تحقیقات سامنے آئیں اور تصانیف ومضامین شائع ہوئے ان سے شعری اور نثری خدمات کا علیحدہ علیحدہ حجم اور تصور واضح نہیں ہوتا۔ اس لئے شعر ونثر کی تاریخ خلط ملط ہی رہی اور صرف شاعری کی سمت ورفتار ہی واشگاف ہوتی رہی۔ یہ اوّلین مقالہ شائع ہو رہا ہے جو برہان پور کے سرمایۂ نثر اور مکمل طور پر نثر نگاروں سے متعلق معلومات فراہم کرتا ہے، یہ اس مقالہ کی انفرادی حیثیت ہے جس کے سبب برہان پور کے تحقیقی ادب میں اسے ایک اضافہ کہنا چاہیئے۔ اردو شعر وادب کے اس طویل سفر میں جس طرح تخلیق کاروں نے شاعری میں خوب طبع آزمائی کی مگر نثر نگاری اور تخلیق نثر کو اکثر نظر انداز کیا، اسی طرح محققین اور ریسرچ اسکالروں نے بھی شاعری اور شعراء پر تو خاطر خواہ تحقیقات کی مگر نثری شہ پاروں اور نثر نگاروں کو موضوع تحقیق بنانا قابلِ اعتنا نہ سمجھا۔ اس لئے برہان پور کے نثری سرمایہ اور قابلِ ذکر نثر نگاروں سے اہلِ ادب خاطر خواہ واقفیت حاصل نہ کر سکے۔ اس طرح اس مقالہ کی تکمیل سے ایک بڑی کمی کا ازالہ ہوگیا۔ ظاہر ہے جس موضوع پر کبھی کام نہ ہوا ہو، اس پر لکھنا زیادہ محنت ومشقت کا متقاضی ہے۔ لہٰذا یہ کہنے کی بات نہیں کہ یہ مقالہ بہت محنت سے تحریر کیا گیا ہے۔

تحقیق کے گرتے ہوئے معیار اور دورانِ تحقیق تساہلی سے تقریباً سبھی واقف ہیں، ایسے حالات میں محض ایم۔ اے کے Dissertation کیلئے ایسے موضوع پر تحقیق کرنا کہ شہر میں ابتداء تا دورِ حاضر سبھی نثر نگاروں اور ان کی اہم نثری تحریروں کا ذکر ہوجائے قابلِ داد بھی ہے اور نئے لکھنے والوں کیلئے قابلِ تقلید نمونہ بھی۔

تحقیق کے عموماً دو ذرائع ہیں ایک آزادانہ یا غیر جامعاتی اور دوسرا جامعاتی یا سندی یعنی جو ایم۔ اے اور پی ایچ۔ ڈی وغیرہ کی سند سے متعلق ہیں۔ برہان پور میں دونوں طرزِ تحقیق کی اہمیت وافادیت اور وجود یکساں ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جہاں آزادانہ تحقیق دم توڑتی ہے وہاں اِن جامعاتی تحقیقات نے ہی سنبھالا دیا ہے اور زیرِ تبصرہ مقالہ اِس کی عمدہ مثال ہے۔

مقالہ نگار نے جس انداز سے برہان پور کی جغرافیائی صورتِ حال، محلِ وقوع، وجہ تسمیہ وغیرہ تحریر کی، معاشی وکاروباری اور اقتصادی حالات پر روشنی ڈالی اس سے تاریخ میں برہان پور کی اہمیت وعظمت واضح ہوجاتی ہے۔ اور اس علاقہ سے ناواقف اشخاص کو اس شہر کی علمی وادبی اور تاریخی عظمت کا احساس ہوجاتا ہے

علاوہ ازیں سماجی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی اور ادبی روایات وشان وشوکت مکمل طور پر روشن ہو جاتی ہے۔ ادوار اور تاریخ کے قابل ذکر سرد و گرم کو ربط و تسلسل کے ساتھ ضابطہ تحریر میں لانا مقالہ کو دلچسپ بناتا ہے۔ اندازِ بیان اگر چہ مختصر مگر راہِ تحقیق کی دشواریوں اور تقاضوں پر نظر کی جائے تو یہ اختصار نامناسب محسوس نہیں ہوتا بلکہ قاری کی دلچسپی بنی رہتی ہے۔ اس مقالہ سے برہان پور کے نثر نگاروں کی سوانح اور احوال وکوائف محفوظ بھی ہوئے اور عوام الناس کو ان سے واقفیت بھی ہوتی ہے، نیز اِن نثر نگاروں کی نثری خدمات اور ان کے اہم نثری کارنامے ہمارے سامنے آگئے ہیں۔

لہٰذا ہم بے صبری سے منتظر ہیں کہ مقالہ شائع ہو تو ہم اطمینان سے مطالعہ اور استفادہ کر سکیں، اور برہان پور میں نثر کی تاریخ اور پیش رفت پر مزید تحقیق کے دروا ہوں اور اہل ادب سنجیدگی سے اس طرف متوجہ ہوں کہ یہی مقالہ نگار کی محنت، لگن اور تحقیق کا صلہ ہوگا۔

اسرار اللہ انصاری
اسسٹنٹ پروفیسر
ماکھن لال چترویدی گورنمنٹ گرلس کالج
کھنڈوہ (ایم. پی)

بُرھَان پُور میں اردو نثر نگاری : ایک تعارف و تجزیہ

ضعیف قومیں اور ضعیف لوگ اپنے حسین ماضی پر فخر کرتے ہیں جبکہ نوجوان قومیں اور نوجوان افراد اپنے ماضی سے سبق حاصل کرتے ہوئے بہتر مستقبل کی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ تاریخ کی بازیافت اشد ضروری ہے۔ اس سے ہمارے بزرگوں کے کارنامے اور لغزشیں دریافت کرنے میں مدد ملتی ہے۔ تہذیب و تمدن کے مختلف منازل و مراحل کس طرح طے کرتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے، اس کا ادراک اور بہتر مستقبل کی راہوں کو ہموار کرنے کے لئے ارتقائی نقطۂ نظر اور تنقیدی شعور ترقی پاتا ہے۔

تاریخ لکھنے اور لکھوانے کی روایت میں غیر جانب داری کے عناصر کم ہی پائے جاتے ہیں۔ ادبی تذکروں اور تاریخوں کا معاملہ اور پیچیدہ ہے۔ علاقائی ادبی تذکروں اور تاریخوں میں جانبداری کا دخل کچھ زیادہ ہی موجود ہے۔ اس سے قطع نظر پروفیسر وسیم افتخار انصاری صاحب کی پیش نظر تصنیف ''برہان پور میں اردو نثر نگاری: ماضی اور حال کے آئینے میں'' اکثر و بیشتر غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے تحقیق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علمی، ادبی اور تاریخی اعتبار سے ہندوستان کے اہم مراکز میں برہان پور اپنی انفرادی شناخت رکھتا ہے۔ یہاں شعر و ادب کے بہترین نمونے دور تک نظر آتے ہیں.....

دنیا کی اکثر زبانوں کی طرح اردو میں نثر کی ترقی، نظم کی ترقی کے بعد ہوئی۔ لہٰذا برہان پور میں بھی نثر کے مقابلے میں شعر و شاعری پر زیادہ توجہ دی گئی۔ یہاں کے ادبی سرمایہ پر اب تک جو تحقیقی کام ہوا ہے، اس کا بیشتر حصہ شاعری پر مشتمل ہے۔ برہان پور میں اردو نثر نگاری پر کوئی مربوط تصنیف کا نہ ہونا، اس مقالے کی تصنیف کا محرک بنا۔ جس کا حق ادا کرنے میں پروفیسر وسیم افتخار انصاری صاحب نے ایک حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

پیش نظر تحقیقی مقالہ ''برہان پور میں اردو نثر نگاری: ماضی اور حال کے آئینے میں'' پروفیسر وسیم افتخار انصاری صاحب کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے۔ جو ایم.اے کے لئے لکھا گیا تھا۔ وسیم صاحب کے متعدد مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اب یہ پہلی کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔ سندی تحقیق میں کئی پابندیاں حائل رہتی ہیں۔ جن میں مقررہ وقت میں کام مکمل کرنا سب سے بڑی دشواری ہے .... یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب: ''برہان پور کی سماجی ثقافتی اور سیاسی تاریخ کا جائزہ'' ہے۔ باب کے ذیلی عنوانات (محل وقوع ،صنعت وحرفت ، وجہ تسمیہ ، برہان پور کی سیاسی ، سماجی ، تاریخ ، عہد فاروقیہ اور عہد مغلیہ) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل تحقیق نے جغرافیہ اور تاریخ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے برہان پور کا بھر پور تعارف پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

دوسرا باب: ''برہان پور کی شعری وادبی تاریخ کا جائزہ'' ہے۔ اس باب میں برہان پور کی علمی وادبی تاریخ دور قدیم سے حال تک بہت مختصر اور جامع طور پر پیش کی گئی ہے۔ یہاں اکثر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی اہم نام چھوٹ نہ پائے۔

تیسرا باب: ''برہان پور میں اردو نثر کا آغاز آزادی سے قبل'' ہے۔ یہ مختصر باب بھی تاریخی انداز میں برہان پور کے اردو، عربی اور فارسی نثر نگاروں کا تذکرہ ہے۔ یہاں کے کتبوں، قلمی ملفوظات اور قدیم کتب خانوں وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اور نثر نگاری کا ارتقاء اور اہم نثر نگاروں کی تصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب کا عنوان ''برہان پور میں اردو نثر نگاری کا آغاز و ارتقاء آزادی سے قبل زیادہ بہتر ہوتا۔

چوتھا اور پانچواں باب صرف انفرادی جائزے پر مشتمل ہے۔ دونوں ابواب کو جوڑ کر ایک باب بنایا جاسکتا تھا۔ یہ انفرادی جائزے بہت ہی مختصر اور اکثر بغیر حوالے کے پیش کئے گئے ہیں۔ ''برہان پور میں اردو نثر نگاری کی سمت و رفتار آزادی کے بعد'' اس موضوع پر اظہار خیال ہونا چاہئے تھا۔ مقالے میں ماحصل کی کمی کھٹکتی ہے۔ چونکہ اس موضوع پر باضابطہ کوئی کام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس کتاب کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ برہان پور کے نثر نگاروں کا تعارف اور ان کی نثری خدمات سامنے لانا قابل تحسین کام ہے

مصنف کو اس کتاب کی خامیوں کا احساس ہے کیونکہ یہ قلیل مدت میں طالب علمی کے زمانے میں کیا گیا کام ہے۔ لہٰذا اہل تحقیق نے ایک طویل اور پر مغز مقدمہ لکھ کر کتاب کی اہمیت اور افادیت کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ یہ طویل مقدمہ کتاب میں جان و دل کی حیثیت رکھتا ہے اور مقالے کے کئی کمزور پہلوؤں کا ازالہ کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

عام طور پر مقالے کی زبان عام فہم ہے۔ لیکن کہیں کہیں ثقیل عربی فارسی الفاظ عبارت کو مشکل بنادیتے ہیں۔ اکثر مقام پر تحقیق کے بجائے تخلیق کا احساس ہوتا ہے۔ داستانی رنگ، علامتی اور تمثیلی انداز عبارت کو رنگین بنادیتے ہیں۔ جو شاید تحقیق کی زبان نہیں ہے۔

کتاب کی اشاعت پر میں پروفیسر وسیم افتخار انصاری صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں!

ڈاکٹر وسیم انور نئی بستی، بڑا کربلا، ساگر (ایم. پی)

برھان پور میں اردو نثر کی روایت......

دکن کی دلّی دارالسرور برہان پور اپنی دیرینہ روایات کے ساتھ تاریخی حیثیت کا حامل ہی نہیں ہے بلکہ ادبی طور پر بھی ایک مکمل دبستان کی حیثیت رکھتا ہے۔اس دارالعیار پر مختلف دور گذرے ،صدیوں تک سلاطین فاروقیہ کے جاہ وجلال وعدل پرستی اور رعایا پروری کے مناظر اوران کے غیرت مندانہ الم انگیز زوال کے بعد مغلیہ عظمت و جبروت اورشان وشوکت کے ہجوم کا نظارہ بھی کیا اور جب زمانے نے بساط الٹی تو مرہٹوں اور انگریزوں کے ذریعہ تباہی و بربادی کے زخم بھی اپنے کشادہ سینے پر برداشت کئے۔عہد نوابین حیدرآباد کے بعد اس عظیم شہر کی درخشانی کو ماند کرنے اور اسے قعر گمنامی کے اندھیروں میں گم کردینے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھی گئی۔جو آج تک جاری ہے نہ اس کی تاریخی اور ادبی اہمیت کا اعتراف کھلے دل سے کیا جاتا ہے۔نہ ہی عظمت رفتہ کا مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ بلدۂ عظیم خاندیش کا دارالخلافہ اس موجودہ دور میں بھی سرچشمۂ رشد وہدایت اور منارۂ نور ہے جواپنے دامن میں ہزاروں علم وفن کے سورج سمیٹے ہوئے ہے۔جواپنی ضیاء پاشی سے دنیا کومنوّر کررہے ہیں۔

صدیوں تک صوفیائے کرام کے مختلف سلاسل اور روحانی توجہ کا مرکز اور علم وادب کا گہوارہ رہے اس شہر میں ہر دور میں اہل علم وفن نے ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔لیکن مؤرخین نے ہی نہیں بلکہ خود اہلِ شہر نے یہاں کے اہل قلم کی خدمات کونظر انداز کیا ہے لیکن جب ہم اس شہر کے ادبی سرمائے پر نظر ڈالتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ یہاں کے صاحب فضل وکمال نے کیسے کیسے فن پارے تصنیف کئے ہیں جب ہم نثری ادب کے سرمائے کا جائزہ لیتے ہیں تو بیشتر حصہ مذہبی تصانیف پر مشتمل نظر آتا ہے۔ کیونکہ ہر دور کا ادب اپنے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔لہٰذا ہمارے اسلاف نے بھی زمانے کے تقاضوں اور رجحانات کا خیال رکھا۔علماء،فضلاء،ادباء،شعراء نے عصری ضروریات کے تحت اپنی کاوشات اور تصنیفات تحریر کیں۔علم اور ادب اور خصوصاً نثری لحاظ سے برہان پور کے مصنفین کا پایہ بہت بلند ہے۔لیکن افسوس کوئی اس کی جامع تاریخ آج تک مرتب نہ ہوسکی۔وہ تو اہل شہر کو صاحب تحفہ جلالی ، صاحب مآثر رحیمی ،منشی عبداللطیف لطف ،محمد اکرام اللہ، ٹھاکرلال،بھیم سین کائستھ ،ملا محمد غوثی مانڈوی ،محمد علی ،مولوی خلیل الرحمٰن، سید مطیع اللہ راشد،افتخار احمد خاں خلیل ، جاوید انصاری،مولانا معین الدین ندوی اور ڈاکٹر شیخ فرید جیسے مؤرخین

اور محققین کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے چیدہ چیدہ ہی سہی لیکن یہاں کے اہل علم وفن کا تذکرہ کر کے ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔ تاریخی اور ادبی لحاظ سے بہت سے شعبے تشنہ ہیں جن پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جیسے برہان پور کے مصنفین اور نثر نگاروں کی سوانح اور خدمات پر کوئی خاص تالیف اب تک منظر عام پر نہیں آئی اس اعتبار سے عزیزم وسیم افتخار کا یہ مقالہ لائق تحسین ہے کہ انھوں نے کافی حد تک اس کمی کو پورا کر دکھایا اور برہان پور کے اہم نثر نگاروں پر تحقیق کر کے اچھا خاصا مواد اہل علم کے لئے فراہم کر دیا۔ حالانکہ تحقیقی نقطۂ نظر سے اس مقالے میں کچھ باتیں وضاحت طلب اور غور وفکر کی حامل ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی تحقیقی تالیف اہل شہر کے لئے باعث افتخار ہے۔ جس کی ادبی اور علمی حلقوں میں پذیرائی ہونا چاہئے

.....

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

ڈاکٹر فاروق راحیل

۱۹ر نومبر ۲۰۱۲ء

(بقیہ صفحہ ۱۷کا)

پھل دار کے نصیب میں پتھر کی چوٹ ہے
گر حوصلہ نہیں ہے تو پھر بے ثمر رہو

اس مقالے کے منظر عام پر آنے سے برہان پور ضلع کے اردو نثر نگاروں کی منظم، سلسلے وار اور مربوط تاریخ کو رقم کرنے کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے اور آنے والے محققین کے لئے مشعل راہ بھی ثابت ہو سکتا ہے...

امید ہے کہ اس مقالے سے دار السرور کے اردو زبان و ادب میں بطور خاص نثر نگاری کے میدان میں کچھ نہ کچھ نمو ضرور پیدا ہوگی۔

نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ............لکھتے رہو.............لکھتے رہو!

ڈاکٹر سجاد جعفری

گورنمنٹ جی، ڈی، سی کالج کھرگون

۱۹ر نومبر ۲۰۱۲ء

قابل ستائش کوشش

دنیائے ادب میں انسانی خیالات کے اظہار کے دو معتبر اور مؤثر طریقے رائج ہیں پہلا اصول و ضوابط کے ساتھ وزن اور بحر کی پاسداری کر کے منظم عبارت تحریر کرنا۔ الفاظ کی تنظیم و ترتیب، وزن و آہنگ اور آرائش و آراستگی کے ساتھ موزوں کلام کو پیش کرنا شاعری کہلاتا ہے۔ دوسرے اس کے برخلاف زبان و بیان کے قواعد کو ملحوظ رکھ کر سادہ فطری اور بکھری ہوئی عبارت کو پیش کرنا یا تحریر کرنا نثر کے زمرے میں آتا ہے اسے نثری کلام کہا جا سکتا ہے۔

باب الدکن برہان پور کی علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ ہر دور میں یہاں نشر و اشاعت اور تصنیف و تالیف کا کام ہوتا رہا ہے۔ اسی بنیاد پر اسے گہوارۂ علم و ادب کا درجہ حاصل ہے۔ سلاطین فاروقیہ، عہد مغلیہ، نظام شاہی، مراٹھا اور انگریزی دور اقتدار میں یہاں علم و ادب کی آبیاری اور ترسیل اپنی پوری قوت و توانائی کے ساتھ جاری رہی۔

اردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقاء میں اس شہر کے تعاون کو کبھی نظر انداز یا فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سعدی دکنی کی ریختہ کے اشعار آج بھی اس شہر کی فضا کو معطر کئے ہوئے ہیں، جس کا اعتراف خواجہ الطاف حسین حالی اور میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے۔

دارالسرور برہان پور میں حجم و کمیت کے لحاظ سے جتنا کچھ ادبی ذخیرہ اردو زبان و ادب کے حوالے سے فن پاروں کی شکل میں دستیاب ہے۔ اس میں زیادہ تر حصہ نظم نگاری (شاعری) کی شکل میں موجود ہے۔ نثر نگاری کا میدان بری طرح خشک سالی کا شکار رہا ہے... اس ضمن میں شاہ بہاؤ الدین باجن، عیسیٰ شاہ جند اللہ، بھیم سین کائستھ، مولوی خلیل الرحمٰن، سید مطیع اللہ راشد، جاوید انصاری، مولوی معین الدین ندوی اور ڈاکٹر شیخ فرید کو خراج تحسین پیش کروں گا کہ ان کے کارہائے نمایاں سے یہاں نثر نگاری کی روایت کو استحکام نصیب ہوا۔ فی زمانہ اردو زبان میں وفادار اور محنت کش حضرات کا قحط پڑ چکا ہے۔ مفاد پرست اور خود ستائشی لوگوں کا انبوہِ کثیر ہے۔ تحقیق و تدوین کے سلسلے میں اس شہر میں آج بھی لوگ تساہلی اور عدم تعاون سے کام لیتے ہیں نقطہ چینی اور طعن و تشنیع کے بازار کو گرم کرتے ہیں ایسے ناگفتہ بہ حالات میں زیر نظر مقالہ پروفیسر وسیم افتخار انصاری کی سخت محنت اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ جس کی ہر حال میں پذیرائی کی جانی چاہئے۔ بقول شاعر

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

ایک مثبت قدم

تحقیق، مادی زندگی میں اشیاء، سماجی وسیاسی زندگی میں حالات و مسائل کے اسباب و محرکات اورادب کے کوچے میں، اظہار کے دوطریقے نظم (شاعری) اورنثر کے ذریعے انسانوں کے خیالات وجذبات کی تہوں کو کھوج کرتے انکشافات کرتی اوران کے انعکاسات سے بحث کرتی ہے۔

اظہار کا پہلا طریقہ یاذریعہ یعنی شاعری اپنے آہنگ کے ذریعے، اثر وتاثر کو گہرا کرتی ہے لیکن جزوی ترجمانی کے ذریعے۔ جنہیں تفصیل سے بیان کرکے، انسانی سوچ اور فکر کو متاثر کرنے اور عمل کی سمت عطا کرنے کا فریضہ انجام دیتی ہے نثر...

اس لئے کسی عہد یا علاقے کے نثری سفر کے بتدریج ارتقاء کی تحقیق، انسانوں کی سوچ کی سمتوں کی وضاحت کے ساتھ، ان کی فکری بصارتوں اور بصیرتوں کی عقدہ کشائی کرتی ہے۔

اس اعتبار سے وسط ہند کے اس زمانے میں اجڑے دیار یعنی برہان پور اوراس کے گردو نواح کے علاقوں میں نثر کے ارتقاء کی تحقیق، مجوزہ عہد اور علاقے کے سماجی عوامل کے ساتھ زبان اور ادب کے آئینوں اور انسانی بصیرتوں کے نقوش کو مزید گہرا کرنے کی قابل ستائش کوشش ہے جو آئندہ زمانے میں اردو ادب کی مکمّل تاریخ کے علاقائی ادب کی تفصیل وتکمیل کی طرف ایک مثبت اقدام بھی ہے۔

اس لحاظ سے وسیم افتخار کا تحقیقی مقالہ اس لئے قابل قدر ہے کہ وہ اپنے مجوزہ عہد اور علاقے کے نثری مواد کو میکانکی ضرورتوں یعنی گہرا مطالعہ، حوالہ جات کے ماخذات کا احاطہ اور نثری کارناموں کو استدلال کے ذریعے، تحقیق کے ساتھ کسی حد تک تخلیقی گذرگاہوں کا سفر بھی کرتا ہے۔

ایم.اے کے امتحان کے لئے پیش کئے جانے کی وجہ سے یہ مقالہ، جن پہلوؤں کے اظہار میں، کسی کمی اور فروگذاشت کا شکار تھا، مقدمے کی شکل میں اضافے کے ذریعے اسے نقش مکمّل بنانے کی کوشش کی ہے۔

ادب وتحقیق کے میدان میں، ان کا یہ نقش، اپنے موضوع سے گہری وابستگی، اس میں عرق

ریزی اور تحقیقی سپردگی کا مظہر ہے، جو مجوزہ علاقے اور عہد میں برتی گئی اصناف سخن کے سلسلے میں، کئے گئے تحقیقی کاموں کے مقابلے میں اونچا مقام رکھتا ہے اور صاحب تحقیق کے حق میں ایک خوش آئند مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے.... اگر ان کے ذریعے آئندہ بھی موضوعات سے وابستگی کے ساتھ، عرق ریزی اور سپردگی کا یہی تسلسل و معیار قائم رہا تو میرے ذریعے خوش آئند مستقبل کی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوگی....

مخدوم جابر برہانی
برہان پور
۱۴ر نومبر ۲۰۱۲ء

مقدمہ

برہان پور زمانۂ قدیم سے مختلف اَدیان، علم وفن، حکمت ودانش اور رنگا رنگ تہذیب وتمدن کا حسین گہوارہ رہا ہے، اسے ہر زمانے میں سیاسی بالادستی رہی ہے۔

اس پر، مختلف ادوار میں، متفرق سلاطین کی حکومتیں رہی ہیں۔ان کے الگ الگ اندازِ حکومت، طرزِ معاشرت اور روایتی رواج کے اثرات، ساتھ ہی صوفیاء، سنتوں کی آمد، قیام اور انہماک دین نے اسے مشترکہ کلچر اور گنگا جمنی تہذیب وتمدن کا دلکش گلدستہ بنادیا ہے۔

اس کے اثرات یہاں کے زبان وادب پر بھی پڑے ہیں۔خاص طور پر اردو ادب کا نثری پود، جس کی آبیاری اور تخلیق میں، یہاں کے تخلیق کاروں اور فن کاروں نے جس درجہ اپنی ذاتی وفطری کاوشوں سے کام لیا ہے...اس مقالے میں، اسی کا تحقیقی اظہار ہے۔

اس تحقیقی عمل میں، اس خطے کے ادبی معماروں کے اسلوبِ نگارش اور رفتار وسمت کو، اُن کی زندگی کے نشیب وفراز کے تناظر، نشوونما اور علم وتجربے کے پس منظر میں رکھ کر دیکھا گیا ہے تاکہ ان کی نثر کو جلا بخشنے اور فکر وفن پر غالب آنے والے عوامل کا ضروری علم ہوسکے...اور تحقیق کے آئینے میں، ان کی اہمیت وافادیت اور ادبی خدمات سے اہلِ اردو کو روشناس کرایا جاسکے۔

برہان پور ایسے علاقوں میں شامل ہے، جن کا ادب سے گہرا رشتہ رہا ہے۔اس میں ایسی کڑیاں بھی پوشیدہ ہیں، جس سے اردو ادب کی ارتقائی نشوونما میں مدد ملی، جن سے گزر کر اردو ادب موجودہ صورتِ حال تک پہنچا۔

اس لئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس دور کے نثری ادب کو سامنے لایا جائے تاکہ مختلف اقسامِ نثر، اس کی اہمیت اور قدیم وجدید ادب کی بتدریج ارتقائی صورتوں کا، قارئین کے لئے ایک آئینہ خانہ پیش کیا جاسکے۔

نظم کے باب میں یہاں مختلف موضوعات پر پوری تفصیل سے کام ہوا ہے۔اس کے باوجود تاہنوز نثری میدان اہلِ نظر سے تشنہ اور چھوٹا ہوا تھا۔مقالے کے ذریعے اس تشنگی کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شخصیات کی بہ نسبت علاقائی ادب پر تحقیقی کام کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔اس میں فکر ونظر کسی ایک شخصیت اور زمانے پر مرکوز نہیں ہوتی بلکہ اس میں فکر ونظر،شعوری بصیرت،دلچسپی اور توجہ،مزید سنجیدگی کی حامل ہوتی ہے۔ چونکہ برہان پور کے نثری ادب پر اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہے۔اس لئے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ اعتدال وتوازن کے ساتھ یہاں کے ادبی نثری فن پاروں اور ادیبوں کی نثری تخلیقات کے جو معیار و مراتب ہیں،اسے متعین کیا جا سکے۔اس سلسلے میں تنقید وانحراف کی بہ نسبت،تعمیر و اعتراف کے ساتھ غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کر کے مقالہ تحریر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خصوصاً برہان پور اردو کے نثری ادب کی تخلیق و توسیع میں کس قدر کامیاب رہا،یہاں اردو کے ارتقائی سفر کی کون سی منزلیں پائی جاتی ہیں۔ان تمام معاملات کا اندازہ تو مقالے کے بالاستعیاب مطالعے سے ہی ممکن ہے۔ذیل میں مقدمے کے ذریعے اس کے چند نقوش کو ابھارا جا رہا ہے۔نیز اس خطے سے اردو نثر کی جو بھی خدمات انجام دی گئی ہیں،اسے تحقیق کے ذریعے،حتیٰ المقدور،پورے انہماک کے ساتھ،منصۂ شہود پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔یوں بھی برہان پور کے ادب اور اس کے نثر نگاروں پر تحقیقی کام کرنے کا مقصد،مردم خیز شہر برہان پور کے فن کاروں کے فن اور اس کی عظمت واہمیت سے اردو دنیا کو متعارف کرانا ہے۔



ہندوستان مختلف قدرتی خطوں اور علاقوں سے مل کر ایشائی نقشے میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔اس کے قدرتی علاقے جو اسے مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ان کی ایک مخصوص پہچان ہے۔

مدھیہ بھارت کا صوبہ،ہند کا مقامِ دل،مدھیہ پردیش،زمانۂ قدیم سے مختلف خطوں اور علاقوں میں منقسم ہے۔مثلاً خطہ مالوہ،نماڑ اور بندیل کھنڈ وغیرہ۔

یہ سب کے سب ہند کی قدیم تاریخ سے گہرے رشتے رکھتے ہیں۔خطۂ نماڑ بھی ان میں سے ایک ہے۔نماڑ دراصل دو خطوں یعنی مالوہ اور خاندیش کے علاقوں کا مرکب روپ ہے۔شمال ودکن کے مابین واقع ہونے سے،اس خطے میں علم وادب،تہذیب وثقافت اور سیاست ومعاشرت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ ان عوامل اور مایۂ افتخار کے سبب یہاں علم وادب کا ایک ستھرا انداق پایا جاتا ہے۔

نماڑ دو حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) مشرقی نماڑ (۲) مغربی نماڑ

مشرقی نماڑ:۔زمانۂ قدیم میں دکن میں، فاروقی و مغل عہد میں خاندیش میں اور انگریزی عہد میں ممالک متوسط برار(C.P & Brar) میں شمار کیا جاتا تھا۔ برہان پور کا تعلق اسی مشرقی نماڑ سے ہے۔

برہان پور پر ۱۳۷۰ء تا ۱۶۰۱ء فاروقی خاندان کے تقریباً ۱۴ر سلاطین نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ۲۳۱ر سال حکومت کی۔ فاروقی عہد تہذیب و ثقافت، علم و فضل اور فنِ تعمیر کی ترقی کے لحاظ سے بڑا سنہری دور رہا ہے۔اس دور کے سلاطین نے فنِ تعمیر کے وہ نقوش چھوڑے ہیں، جن کے آثار صدیاں گذر جانے کے بعد بھی نظروں کو خیرہ کرتے ہیں نیز مقامی اور عالمی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔فاروقیوں نے ابرِ بہار بن کر اس شہر کی آبیاری کی اور علم و دانش اور فضل و کمال کی فصلیں اُگائیں۔

مغل عہد (۱۶۰۱ء تا ۱۷۲۰ء) میں یہاں کے علم و ادب، تہذیب و ثقافت نیز سیاست و معاشرت کے میدان میں مزید اضافہ ہوا۔اس عہد میں عبدالرحیم خانِ خاناں کی شخصیت، یہاں کے علم و فن اور فضل و کمال کو تقویت عطا کرنے میں اور اسے پروان چڑھانے میں ایک غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔اس کی تبحر علمی، نفاست، شائستگی علم دوستی، جوہر شناسی اور سیاسی حکمت عملی کا زمانہ معترف ہے.....ایران، افغان اور ہندوستان کے مختلف مقامات کی اربابِ کمال اور جامع الصفات شخصیات کی آمد اور پر شکوہ ہجوم سے مغل دربار مزین و معمور رہا۔

۱۷۲۰ء میں حیدر آباد کے نظام الملک آصف جاہ اوّل نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے اسے مزید مستحکم کیا (۱۷۲۰ء تا ۱۷۶۰ء عہد حکومت میں) اس نے رعایا اور عوام کی جس طرز سے نگہداشت کی، ان کے مسائل کو حل کرنا اپنا فرض منصبی جانا، ویسے ہی یہ سخن ور اور سخن پرداز تھا اور عبدالرحیم خانخاناں کی طرح علوم و فنون کا دِل دادہ بھی۔

نظام آصفی کے بعد مرہٹے قابض ہوئے، پھر پیشوا آئے، ہولکر آئے ۔۱۸۱۸ء میں پیشوا نے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۱۸۱۹ء میں اسیر گڑھ (مشرقی نماڑ) بھی انگریزی قبضے میں چلا گیا پھر مختلف معاہدے کے تحت یہ سندھیا اور ہولکر کے ماتحت رہا۔آہستہ آہستہ انگریزوں نے پورے نماڑ پر قبضہ کر لیا۔

برطانیہ تسلّط کے ساتھ ہی ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح برہان پور کو بھی قربان گاہ بنا دیا گیا۔ برہان پور کے افق پر ظلم و بربریت کے کثیف و سیاہ بادل چھا گئے۔انجام کار یہ ہوا کہ برہان پور کا

ہر شعوری فرد جنگِ آزادی کے کارواں میں شامل و شریک ہو کر وطن کو آزاد کرانے کے درپہ ہو گیا۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کے روشن باب میں یوں تو ہند کے ہر گوشے سے مجاہدین آزادی نے حصہ لیا۔ جس کی ایک طویل فہرست ہے۔ برہان پور بھی اس فہرست میں شامل ہونے کا فخر رکھتا ہے۔

مدتوں شب و روز کی قربانیوں کے بعد فرزندانِ وطن جس آزادی کی سنہری چادر میں سکون کا سانس لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ غلامی سے نجات پانے کی جس صبح کا انتظار تھا، آخر وہ وقت قدرت کی فیاضیوں کے ساتھ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو میسر ہوا۔

برہان پور کی تہذیب یہاں کے قدیم سیاسی نشیب و فراز کی مرہونِ منت ہے۔ برہان پور میں مختلف اوقات میں، مختلف بادشاہوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں رہی ہیں۔ جس کا قدیم سلسلہ ہمیں ملک راجا فاروقی (۱۳۷۰ء تا ۱۳۹۹ء) سے ملتا ہے۔ اس سے قبل یہاں کی عوامی زندگی میں مقامی رنگ کا غلبہ زیادہ نظر آتا ہے۔ لیکن جب اس پر مسلم حکمرانوں کا ورود ہوا تو مقامی میل جول سے ایک نئی تہذیب وجود میں آئی، جس کی ترقی پذیر صورت آج بھی اس شہر کے رہن سہن اور بود و باش میں نظر آتی ہے۔



کسی بھی زبان کی ترقی، اس سے تعلق رکھنے والوں کی لگن اور دلچسپی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ جیسے جیسے وہ گروہ ترقی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی بتدریج ترقی کی منزلیں طے کرتی جاتی ہیں۔ اردو بھی انہی خطوط سے ہو کر آج دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہے۔

اردو کی پیدائش اور نشو و نما کے متعلق محققین نے کچھ علاقے مخصوص کر دیئے ہیں، جنھیں تحقیقی رو سے تسلیم نہ کرنا حقیقت سے چشم پوشی ہوگی لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ صوفی فقیروں کی خانقاہوں، شاہی لشکروں، درباروں اور عوام نے اسے رابطے کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا اور پھر اردو نے جب ہندوستان کی فضائے بسیط کو اپنا گہوارہ بنایا تو اس کے آفتاب سے جہاں مرکزوں کی درمیانی گزرگاہیں روشن ہوئیں، وہیں ایسے علاقے بھی جگمگا گئے، جہاں ماضی قدیم میں کسی طرح کی ہلچل نہ تھی۔ انھیں اردو زبان کی ترویج و ترقی کی خدمات سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اردو کی آب یاری میں جن مقامات کو مرکزیت حاصل ہے۔ ان مراکز سے وابستہ علم و فضل کے گروہ نے ہندوستان کے دیگر مقامات کا سفر طے کیا اور اسے اپنے شبستان عمل کا ایک حصہ بنایا۔ زبان کا جو علم وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، مقامی لوگوں میں اس کی

ترقی اور توسیع کے لئے کوششیں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مراکز سے دور فکری کوششیں تخلیقی سانچے میں ڈھلنے لگیں۔ کئی نادر ادب پارے وجود میں آئے... جن کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم ان چھوٹے چھوٹے علاقوں پر تحقیقی نگاہ ڈالتے ہیں تو اردو زبان وادب کی توسیع میں وہاں کے مقامی افراد کی خدمات کا وافر دفتر ہمیں ملتا ہے۔ برہان پور بھی ایسے ہی مقامات میں شامل ہے۔

برہان پور کے متعلق چند معتبر مؤرخین ادب کے خیالات مذکورہ بالا خیال کی مزید تائید کرتے ہیں۔

(۱) ''شیخ علیم اللہ محدث عباسی (التوفی ۱۰۲۴ھ) وطن پورب..... سے بارادۂ حرمین شریفین برآمد ہوئے راہ میں آپ کا گذر برہان پور میں ہوا .... اس وقت برہان پور دارالعلوم و دارالاولیاء تھا۔ اکثر علماء و عرفا موجود تھے۔ مثلاً شیخ محمد بن فضل اللہ و شاہ عیسیٰ جنداللہ وغیرہما سے آپ ملے۔ اکثر باہم علمی مذاکرہ رہتا تھا۔ آپ چند مدت وہاں سکونت پذیر ہوئے...... پ پھر مکہ معظمہ سے برہان پور مراجعت کی۔ درس و تدریس میں مشغول ہوئے......... متعدد فنون و علوم میں تدریس فرماتے تھے۔ تمام دکن میں آپ کے فضائل و کمالات کی شہرت تھی ابراہیم عادل شاہ...... کی درخواست قبول کی اور بلدہ برہان پور سے بیجاپور رونق افروز ہوئے۔'' (محبوب التواریخ (۱۳۰۶ھ) تذکرہ اولیائے دکن۔ صوفی عبدالجبار آصفی ملکا پوری۔ جلد اول اسٹوڈینٹس بک ہاؤس حیدرآباد دکن، جدید ایڈیشن ۲۰۰۱ء ص ۶۰۸ تا ص ۶۰۹)

(۲) '' اردو زبان نے دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حال حاصل کر لی تھی۔ اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف وتالیف کا آغاز ہو گیا تھا۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں بارہویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور

لین دین تک محدود تھی ۔ مولانا جمالی (المتوفی سن ۹۴۲ھ ہم عصر شہنشاہ بابر) ملا نوری اور شیخ سعدی (دکنی برہان پوری) وغیرہ نے اگرچہ کہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اردو میں ہیں'' (اردوئے قدیم۔ حکیم شمس اللہ قادری۔ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ ۱۹۲۹ء ص ۱۱۱)

(۳) ''نمونۂ کلام جو'' پنجاب میں اردو'' میں دیا گیا ہے........ شیخ باجن.........۹۱۲ھ میں وفات پاتے ہیں ۔اب اس عہد کے شخص سے ادبی کارناموں کی توقع کرنا خیال محال ہے اردو زبان کی اس عہد میں یہ حالت نہیں تھی ۔ کہ داغ وامیر کی شیوہ بیانی کی چشم داشت کی جائے ۔ باجنؔ اور اس کے ہم وطن دوسرے بزرگوں کی اہمیت صرف تاریخی دلچسپی کی بنا پر ہے اور اسی ذوق نے دبستان دکن کو ہماری نگاہ میں محبوب کر دیا ہے ورنہ آج کون ہے جو ولی کی غزلوں ،نصرتی کی مثنویوں اور ہاشم علی (برہان پوری) کے مرثیوں کو پڑھ کر سر دھننے لگے ۔قصہ مختصر ان بزرگوں میں ہماری دلچسپی تاریخی اور لسانی ہے نہ ذوقی اور وجدانی'' (مقالات حافظ محمود شیرانی۔ جلد اول۔ مرتب مظہر محمود شیرانی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔ ص ۳۰۲ ایضاً اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۳۰ء)

(۴) ''یہ اولیاء خیز شہر (برہان پور) مشاہیر، مشائخ ،علماء و صوفیا کا مرکز بنا ہوا تھا'' (ملا محب علی سندھی۔ مضمون نگار۔ مولانا مطیع اللہ راشد برہان پوری۔ بشمول۔ سہ ماہی اردو ۔انجمن ترقی اردو کراچی جلد نمبر ۳۔ ۴ ر اکتوبر ۱۹۵۱ء ص ۶۴)

(۵) ''عبدالرحیم خان خاناں کے طویل قیام سے اس کو (برہان پور) ''چھوٹی دہلی'' کا مرتبہ حاصل ہو گیا...ایران کے اکثر علماء و فضلاء و اطباء اور شعراء ....اپنے وطن سے چلتے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے دہلی آتے تھے۔لیکن یہاں بھی ان کا دل نہ لگتا اور آخر کار برہان پور پہنچ کر (عبدالرحیم) خان خاناں کی سرکار تک رسائی حاصل کر کے اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ .....اردو کی تاریخ میں بھی اس اعتبار سے برہان پور کا نام کافی اہمیت رکھتا ہے کہ اس زبان کے اولین شاعر ولی دکنی، سعد اللہ گلشن کے شاگرد اور مرید تھے اور اس نسبت سے عرصہ تک ان کا قیام برہان پور میں رہا۔ بلکہ ریختہ میں شعر کہنے کی تحریک ان کے استاد اور مرشد ہی نے کی'' (پیش لفظ۔کوثر چاند پوری۔بشمول۔ سلک گہر مولفہ جاوید انصاری برہان پوری۔۱۹۴۹ء ص ۱ تا ص ۳)

(۶) ''اردو زبان.......ایک خودرو پودے کی طرح.....ہے .....ملتان اور لاہور کے بازاروں اور فوجی چھاؤنیوں سے یہ پودا دلی اور آگرہ پہنچا......محمد تغلق کی فوجوں اور دلی کے عوام کے ساتھ دکن پہنچ گیا ....چنانچہ اردو زبان کی ابتدائی نظم و نثر دکن میں ہی لکھی گئی.....اس ملک میں بہت بڑا ادبی ذخیرہ جمع ہو گیا......برہان پور کی سرزمین میں اردو کا پودا ایسا بھبکا کہ.......یہاں کے بڑے بڑے عالم اور شاعر فارسی کے ساتھ ساتھ اس زبان میں بھی لکھنے لگے اور جب اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے برسوں اورنگ آباد میں قیام کیا تو اورنگ آباد کی علمی و ادبی چہل پہل زیادہ تر برہان پور ہی کے ادیبوں اور شاعروں کی مرہون منت رہی۔یہ واقعہ ہے کہ اگر برہان پوری شاعروں اور صاحبان کمال کو اورنگ آباد سے خارج کر دیا جاتا تو وہاں کی محفلیں سونی نظر آنے لگتیں۔جب اورنگ آباد سے

سلطنت آصفی کا پایا تخت حیدرآباد منتقل ہوا تو دوسروں کے ساتھ برہان پوری شعرا اور ادیب بھی حیدرآباد چلے گئے اور اہل کمال کی آمد و رفت کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا........جب بھی اور جہاں کہیں اردو ادب کی تاریخ لکھی جائے گی۔ برہان پور کے صاحبان کمال اور خدمت گزاران اردو کو فراموش نہ کیا جاسکے گا'' (خطبۂ صدارت اردو کانفرنس برہان پور۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔ بشمول، سب رس حیدرآباد ''زور نمبر'' دسمبر ۱۹۶۳ء ص ۱۸، ۳۱۷ اور ۳۲۰)

''یہ اردو کانفرنس قادریہ ہائی اسکول برہان پور میں دسمبر ۵۷ء یا جنوری ۱۹۵۸ء میں منعقد ہوئی تھی۔ استقبالیہ خطبہ الحاج صلاح الدین قریشی نے پڑھا۔ عبدالقادر صدیقی وزیر سپلائز فوڈ، مرزا محمود بیگ ساز، مدھیہ پردیش کے گورنر شری پاٹکر اور وزیر تعلیم ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے اپنے تحریری خیالات کا اظہار کیا، روش صدیقی نے اردو پر نظم سنائی'' (ہفتہ وار ہماری زبان دہلی۔ ۸ر جنوری ۱۹۵۸ء ص ۷)

''ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے صدارتی خطبہ پڑھا''

(ہفتہ وار ہماری زبان دہلی۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۵۸ء ص ۱۱۔ اور ۱۰۔ ۶)

''اس کانفرنس میں مولانا حفظ الرحمٰن، ہادی نقش بندی، ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی، پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد، کوثر چاند پوری، پروفیسر نثار احمد قریشی، پروفیسر افتخار احمد فخر، پروفیسر شیخ فرید، اور ایم عرفان احمد وغیرہ شریک تھے'' (ہفتہ وار ہماری زبان دہلی۔ ۸ر فروری ۱۹۵۸ء ص ۱)

(۷) ''شاعری میں ولی کے استاد شاہ گلشن تھے جیسا کہ میر حسن اور دی تاسی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ خود ولی بھی 'نوار المعرفت'، کے اختتام پر اس امر کا اظہار کرتا ہے۔'' مصنف ایں عبارت کہ بیمن شاپردازی بزرگان بخطاب ولی سرفراز است وازشاگردی زبدۃ العارفین حضرت شاہ گلشن ممتاز''
(ولی گجراتی۔ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔ ادبی پبلشرز بمبئی۔ مارچ ۱۹۷۰ء ص ۸۹۔ اور ۱۲۲) اور (رسالہ نور المعرفت۔ تصنیف ولی شاعر ہندی۔ مرتب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔ ۱۹۵۰ء ص ۲۸)

ترجمہ:۔اس عبارت کا مصنف بزرگوں کی مدح گستری کی بہ دولت ولی کے خطاب سے سرفراز ہے اور حضرت شاہ گلشن کی شاگردی پر اسے ناز ہے۔(رسالہ نور المعرفت۔تصنیف ولی شاعر ہندی۔مرتب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔۱۹۵۰ء ص ۱۵)

شمالی ہند میں میر صاحب اسکو معشوق دکن کہہ کر تعظیم کو اٹھتے ہیں اور سودا اور قائم اس کو لچر سی بات سمجھ کر بھی منہ لگاتے ہیں.......کیونکہ ولی نے ریختہ کو ایسی اچھی صورت میں پیش کیا کہ وہ سب کو بھا گیا.....ولی نے شاہ گلشن کے ایماء سے اپنا طرز بیان بدلا.....اس کے سامنے گجرات و دکن کے نمونے موجود تھے۔جن میں فارسی آمیزش کی خصوصیت دور اولین سے چلی آتی تھی''(ولی گجراتی،ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔ادبی پبلشرز بمبئی، مارچ ۱۹۷۴ء ص ۱۵۴)

(۸) ''دکن میں دارالسرور برہان پور..... پر امن اور محفوظ مقام......علماء وفضلا کا مسکن تھا.......برار میں عماد شاہیہ کے زوال کے بعد اکثر علما وصلحا نے.....یہاں آباد ہو کر عوام و خواص کی رشد وہدایت ،درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں زندگی کے دن آرام سے بسر کر دیئے۔صوفیاء اور صلحاء نے بھی اس مقام کو ترجیح دی ہے۔گجرات سے شاہ بہاؤالدین باجن، شاہ شرف الدین شہبازؒ، شیخ محمد لشکر عارف، شیخ برہان علوی، آکر یہاں توطن اختیار کیا.......شاہ کلیم اللہ دہلوی نے برہان پور کی جغرافیائی اور تاریخی اہمیت کے پیش نظر شیخ نظام الدینؒ کو لکھا تھا کہ برہان پور کو اپنا وطن بنا لیں ۔(مفتاح السرور عادل شاہی۔ڈاکٹر شیخ فرید برہان پوری۔بشمول۔ہفتہ وار ہماری زبان دہلی۔جلد ۲۶، شمارہ ۱۰۔۸/مارچ ۱۹۶۷ء ص ۸)

مذکورہ بنیادی مستحکم کاموں کے سبب برہان پور میں ایسی خوشگوار فضا قائم ہوئی، جس میں مختلف زبانوں کے علوم و فنون اور اصناف سخن کو پھیلنے، پھولنے، پھلنے اور پنپنے کے بہتر مواقع فراہم تھے۔ اسی بناء پر یہاں ہر زمانے میں قابلِ قدر علمی شخصیتیں اپنے علم وفن کا چراغ روشن کیئے ہوئے نظر آتی ہیں۔

انھیں ابتدائی ایام میں شیخ سعدی دکنی برہان پوری، شاہ نعمان شیرازی اسیر گڑھی، شیخ برہان الدین غریب ہسوی خلد آبادی، زین الدین داؤد شیرازی خلد آبادی، شاہ بہاؤالدین باجن احمد آبادی برہان پوری، شیخ علی متقی برہان پوری مکی عربی، محمد بن فضل اللہ احمد آبادی برہان پوری، شاہ عیسیٰ جند اللہ سندھی برہان پوری، مولانا نظام الدین برہان پوری، خواجہ ہاشم کشمی برہان پوری، عبدالرحیم خان خاناں اور شاہ سعد اللہ گلشن برہان پوری دہلوی وغیرہ لائق ذکر دانشوران کی سرزمین برہان پور میں موجودگی، اس بات کا بین ثبوت ہے۔ ان بنیادی چراغوں سے چراغ جلنے کا سلسلہ نسلاً بعد نسلی آج بھی جاری ہے۔

یہ سب اس لئے بھی ہوا کہ اس علاقے پر مختلف سلاطین کی حکومتیں رہی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ قدرتی طور پر یہ خطہ پر امن رہا۔ نشیب میں تھا، ست پڑا اور وندھیا چل کی پہاڑیاں اس کی محافظ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہند کے دیگر علاقوں کی بہ نسبت اس پر اندرونی اور بیرونی حملوں کی گنجائش کم تھی۔

مذکورہ وجود سے ہٹ کر ایک وجہ یہ رہی کہ برہان پور کی سرحدیں، مالوہ، گجرات اور مہاراشٹر سے ملتی ہیں۔ اکثر فاروقی سلاطین کے خاندانی رشتے سلاطین گجرات کے خاندان سے رہے۔ ساتھ ہی اس کی راہ میں اسیر گڑھ کا ناقابل تسخیر قلعہ تھا، جسے فتح کرنے کے لئے مغل شہنشاہ اکبر کو تقریباً ایک سال کا طویل عرصہ لگا تھا۔

علاوہ ازیں مالوہ سے گجرات آمد و رفت کے لئے برہان پور ایک محفوظ راستہ تھا، جس میں مسافروں کے لئے لوٹ مار اور راہ زنی کا اندیشہ کم تھا۔ یہی نہیں دانیال، شاہ جہاں، اورنگ زیب اور خان خاناں برہان پور کے صوبے دار رہے۔

ان سب کے علاوہ ایک بڑا سبب یہ رہا کہ برہان پور شمال و دکن کے مابین ایک رابطے کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب بھی دکن یا شمال میں جو بھی سیاسی، سماجی ہلچل اور زبان و ادب میں نئی نئی کوششیں ہوتیں، اس کے اثرات یہاں ضرور پڑتے۔

یہاں اس بات کا اعادہ کرتے چلیں کہ برہان پور میں اردو کی ساری ہلچل شمالی ہند کی مرہون منت ہے۔ مسلمان فاتحین کے آنے سے قبل ہی یہاں ایک ایسی مخلوط زبان کا استعمال ہو رہا تھا، جو بآسانی سمجھ میں آسکے

مسلمانوں کے آنے سے پہلے تقریباً ۶۰۰ء سے ۱۰۰۰ء کے درمیان مغربی اپ بھرنش (جسے شورسینی ابھرنش بھی کہتے ہیں) ایک زبان کے روپ میں ابھری۔ اس زمانے میں بنگال سے پنجاب، سندھ، کشمیر، نیپال، مہاراشٹر تک کی ساری علاقائی زبانوں سے قریب ترین تھی۔ ظاہر ہے مذکورہ زبان کا استعمال برہان پور میں بھی ہورہا تھا کیونکہ برہان پور مدھیہ پردیش کا ہی حصہ ہے۔ اس سلسلے میں وسطی ہند کی زبان کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ یہ صوبہ مدھیہ پردیش اپ بھرنش کا علاقہ رہا ہے اور شورسینی ابھرنش سے ارتقاء پانے والی دوسری زبانوں میں سے ایک زبان اردو بھی ہے۔

وسطی ہندوستان اور پنجاب کی زبانوں کے بننے میں فارسی زبان اور میل جول نے بڑی مدد کی، جو آریائی زبان ہے۔ برہان پور میں فارسی زبان اور میل جول کے شواہد ۱۴ رویں صدی عیسوی خلجی سلطنت (۱۳۰۵ء) کے امیرانِ صدہ کی آمد سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان ترک خاندانوں کی آمد سے زبان میں جو تبدیلی آئی، اس کی نشاندہی سعدی دکنی برہان پوری کے اشعار سے ہوتی ہے۔ نموناً ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ   در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

سعدی دکنی کے اشعار کو دیکھ کر ان سے پہلے کی زبان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں قدیم آریائی کی شاخ شورسینی اپ بھرنش (۵۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک کے زمانے) کا غائر مطالعہ کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''ادبی تحقیق'' (کے ص ۴۳) میں شورسینی اپ بھرنش کے عمومی جائزے کے مطابق یہ صوبہ شورسینی اپ بھرنش کے زمرے میں آتا ہے۔ جس کا مطالعہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے ''اردو لسانیات'' میں بیان کیا ہے۔ مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

> ''مدھیہ پردیش کی زبان بین بین تھی، اس میں تبدیلیاں ہوئیں لیکن مشرقی زبان کی نسبت سے کم اور غیر اہم، مثلاً قدیم آریائی الفاظ کرت (کیا ہوا) ارتھ (مطلب) اردھ (آدھا)..... وسطی علاقے کی زبان میں ''ر'' حذف ہوئی اور کرت کو کت، ارتھ کو اتھ، اردھ کو ادھ کہا گیا.... اردو مدھیہ پردیش کی اس قدیم زبان کی آخری کڑی ہے، مدھیہ دیش کی اس زبان کو اردو کا قدیم روپ دھارنے سے پہلے تین ارتقائی دوروں

سے گذرنا پڑا۔ جن میں کا ہر دور کم و بیش ۵۵۰ سال کا ہے

۔ پہلا دور ۵۰۰ ق.م سے شروع ہو کر ولادت مسیح پر ختم ہوا۔ یہ

پالی یا اولین پراکت کا د۔۔ ہے۔ دوسرا دور ۵۰۰ مسیحی پر اختتام کو

پہنچا۔ اسے پراکرت دور کے نام سے یاد کرتے ہیں ۵۰۰ سے

۱۰۰۰ مسیحی تک کا دور اپ بھرنشوں کے نام سے موسوم کیا جاتا

ہے'' (اردو لسانیات۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری۔ علی گڑھ بک ڈپو۔ ۱۹۷۵ء ص ۱۶ تا ۱۷)

دیکھنا یہ ہے کہ مدھیہ پردیش اور خصوصاً برہان پور نے اردو کی ابتدائی نشو ونما میں کیا کردار ادا کیا۔ اس کا فیصلہ تو ہند آریائی کا جائزہ لینے کے بعد ہی ممکن ہے۔

ہند یوروپی خاندان کی دو شاخیں ایرانی اور ہند آریائی ہوئیں۔ آریائی زبانیں بولنے والوں نے مختلف ادوار میں، مختلف مقامات پر سکونت اختیار کی۔ جس پر عبدالقادر سروری نے ''زبان اور علم زبان'' میں (ص ۲۰۷ تا ۲۰۸) تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

عبدالقادر سروری کے پیش کردہ نظریات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آریاؤں کا تعلق پہلے یا بعد میں مدھیہ پردیش سے رہا، جس سے برہان پور کا متاثر ہونا لازمی ہے۔

آریائی غول کی آمد سے مدھیہ پردیش کی پراکرت میں جو ہلچل ہوئی، اس نے اپ بھرنشوں کو جنم دیا۔ اپ بھرنشوں سے مغربی ہندی، مغربی ہندی سے ہندوستانی اور ہندوستانی ہی کی دو شاخیں اردو اور ہندی ہیں۔

برہان پور میں اردو زبان کی تخم ریزی کے جائزے کے بعد زبان کے ابتدائی نمونے اور ان کی لسانیات میں اہمیت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ مسلمان فاتحین کے آنے سے قبل ہی دکن (مشرقی نماڑ) میں بزرگانِ دین کی جماعت خیمہ نشین ہو چکی تھی۔ ان صالحین میں حاجی رومی (۵۵۵ھ بمط ۱۱۶۰ء) سید شہاب الدین (۶۹۱ھ بمط ۱۲۹۱ء) سید شاہ مومن (۵۹۷ھ بمط ۱۲۶۰ء) بابا سید مظہر عالم (۶۲۲ھ بمط ۱۲۲۵ء)، شاہ جلال الدین گنج رواں سہروردی (۶۲۴ھ بمط ۱۲۲۶ء) حیات قلندر رومی منگلوری (۶۵۹ھ بمط ۱۲۶۰ء) بابا شرف الدین وغیرہ شامل تھے۔

ان متبرک شخصیات کے بعد جن حضرات نے برہان پور سے گزر کر دکن میں قدم رکھا، ان میں مومن عارف باللہ اور منتخب الدین زرزری بخش تھے۔ زرزری بخش، برہان الدین غریب کے بڑے بھائی اور بابا فرید گنج شکر (آمد ۵۶۹ھ بمط ۱۱۷۳ء رخصت ۶۶۴ھ بمط ۱۲۶۵ء) کے شاگرد و مرید تھے۔ اگرچہ ان کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں لیکن بابا فرید کے فقروں، دہروں، نظموں اور ریختہ سے ان کی زبان، رنگ و آہنگ، خد و خال اور اس زمانے کے بزرگان دین کی عرق ریز ادبی کاوشات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی علم ہوتا ہے کہ شمالی ہند سے آنے والے جو زبان اپنے ساتھ لائے تھے، وہ یہاں گھس کر اور زیادہ صاف ہوگئی تھی نیز اس میں شعر و ادب کی تخلیق جاری ہوگئی تھی... جس کا سلسلہ آج تک چلا آتا ہے۔



برہان پور میں اردو زبان و ادب کا آغاز فاروقی عہد (۱۳۷۰ء تا ۱۶۰۱ء) سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ اردو زبان کی طرح، یہاں کے شعر و ادب کا سلسلہ اردو شاعری کی تخم ریزی، ابتدائی نشو و نما سے ملتا ہے۔ فاروقی علم و فضل کے طلائی عہد کے بعد جیسے ہی یہاں مغلوں کی سیاسی مسند، صوبے دارانہ نظام قائم ہوا تو اردو کے لئے بھی بڑی ہی خوش گوار فضا قائم ہوئی، یوں تو اردو کا پہلا شاعر قلی قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ عہد حکومت) کو تسلیم کیا جاتا ہے جب کہ برہان پور میں اس سے بھی تقریباً ایک صدی قبل اردو شاعری کا آغاز شاہ بہاؤالدین باجن (۷۹۰ھ بمط ۱۳۸۸ء تا ۹۱۲ھ بمط ۱۵۰۶ء) کر چکے تھے۔ ان کے بعد سے دورِ حاضر تک کئی نسلوں، سیکڑوں شاعروں اور معتد شعری سلسلوں پر مشتمل اردو شاعری کا ایک گراں مایہ سرمایہ موجود ہے۔

اردو شاعری کی طرح برہان پور میں، اردو نثر کا آغاز بھی ابتدائی دور میں ہو چکا تھا لیکن شاعری کی بہ نسبت اس طرف لوگوں نے کم توجہ صرف کی... کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد نثر کا یہ گلستان بھی یہاں کے ادیبوں، نثر نگاروں اور فن کاروں کے ہاتھوں پروان چڑھا...!

وقت، موقع، حالات کے بدلتے تیور کے تحت یہاں کے نثری ادب میں چنداں تبدیلیاں ہوتی رہیں، جس کا خاص سبب سیاسی نشیب و فراز، حکومتوں کا عروج و زوال تھا۔ دوسری وجہ یہ رہی کہ مقامی اہلِ قلم کے علاوہ دیگر مقامات کی کئی علم و فضل کی شخصیتیں تشریف لائیں، کچھ ہستیاں ایسی بھی تھیں، جن کی پیدائش، نشو و نما برہان پور میں ہوئی لیکن بعد میں دوسرے مقامات پر جا بسیں، بعض ایسے ادیب بھی گزرے ہیں، جن کی پیدائش اور وفات برہان پور میں نہ ہوئی لیکن ان کی آمد اور طویل قیام نے یہاں کے علم و ادب میں قابلِ ذکر اضافے کئے۔

جس طرح متحدہ ہندوستان کے شمالی حصے میں، دہلی، لاہور، پنجاب، لکھنؤ، آگرہ، رام پور، بدایوں، بجنور اور علی گڑھ وغیرہ مقامات علم وفن کے مساکن رہے ہیں، اسی طرح برہان پور بھی عربی، فارسی اور اردو زبان وادب کے علم برداروں کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ فاروقی، مغل، نظام آصفی عہد میں ادباء، شعراء، اطباء اور علمائے کرام کی سرپرستی ہوتی رہی، بعد کے ادوار میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا، جس نے ادب کی ہر اصناف کو شاداب ہونے کے بہتر مواقع فراہم کیے۔

خصوصاً نثری ادب کے ارتقاء میں دینی، مذہبی کتابوں، ملفوظات کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ اردو نثر کے چھوٹے چھوٹے فقرے، اقوال انہیں ملفوظات اور دینی کتابوں میں ہمیں ملتے ہیں۔ برہان پور میں اگر مذہبی اور ملفوظاتی ادب سے ہٹ کر اردو نثر کے ابتدائی نقوش کا جائزہ لیا جائے تو سب سے یہاں کے کتبات سے اس کی ابتدا ہوتی ہے، جن کی تحریریں مؤرخانہ اسلوب بیان لئے مختلف موضوعات، فنِ خطاطی کی قسموں اور فنِ سنگ تراشی کے بہترین نمونے پیش کرتی ہیں۔

برہان پور اپنے شاہی و اسلامی کتب خانوں کے لئے مشہور تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ فیضی کو "تغلق نامے" کے چند ورقوں کی ضرورت پیش آئی تو اس نے برہان پور کے بادشاہ، عادل شاہ فاروقی کو خط لکھ کر درخواست کی تھی، لیکن اب اس قسم کے ایک بھی کتب خانے موجود نہیں ہیں۔ شاہی کتب خانوں کے علاوہ یہاں کئی ذاتی کتب خانے بھی موجود تھے۔ فی الحال اس زمانے کے دو کتب خانے باقی رہ گئے ہیں۔

عوامی سطح پر قائم کردہ کتب خانے جو برہان پور میں تھے، اکثر دم توڑ چکے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں، ان کی حالت اتنی خستہ ہے کہ تحقیقی کام کرنے والوں کو ان سے خاطر خواہ مواد فراہم نہیں ہو پاتا۔ جب کہ آج بھی سینکڑوں کتابیں، قیمتی مخطوطات اور نادر نسخے شہر میں موجود ہیں۔ جو لوگوں کی ذاتی ملکیت ہیں اور وہ بھی صندوقوں اور الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں.... شائقینِ ادب ان سے محروم ہیں۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ برہان پور میں کم از کم ایک کتب خانہ قائم کیا جائے اور تمام قیمتی منتشر کتابیں، نادر نسخے اور مخطوطات کسی حکمت سے اس میں یکجا کر دیئے جائیں تو یقیناً یہ کتب خانہ ہندوستان کے عظیم کتب خانوں میں اہم ہوگا۔

برہان پور میں نثر نگاری کا آغاز فاروقی عہد (۱۳۷۰ء تا ۱۶۰۱ء) سے ہوتا ہے۔ ابتدائے دور میں یہاں نثری ادب، تاریخ، فلسفہ، مذہب اور قلمی ملفوظات کی شکل میں، عربی و فارسی زبان میں ملتا ہے۔ اس کی

خاص وجہ یہ رہی کہ فاروقی دور میں عربی و فارسی کو اوّلیت حاصل رہی اور مغل دربار کی زبان فارسی تھی۔ عربی، فارسی اور اردو زبان کے ساتھ یہاں سنسکرت اور ہندی زبان نے بھی کافی ترقی حاصل کی۔ قصہ مختصر اس دور کے نثر نگاروں نے مذکورہ زبانوں کے سحر سے ادب میں سحر سامری کا سا اثر پیدا کر دیا تھا۔

فاروقی عہد کے اولین نثر نگاروں میں شاہ بہاؤالدین باجن کا شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے فارسی نثر میں گراں قدر تصنیف ''خزائن رحمت اللہ'' یادگار چھوڑی ہے، جو عوام میں ''خزانۂ رحمت'' کے نام مشہور ہے۔ شاہ باجن اور خزائن رحمت اللہ پر حافظ محمود شیرانی، مولوی عبدالحق، مطیع اللہ راشد برہان پوری، ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ نے کئی تحقیقی مضامین، مقالات تحریر کئے ہیں لیکن یہ سب پروفیسر ڈاکٹر شیخ فرید کی تالیف ''شاہ باجن حیات اور گجری کلام'' سے زیادہ مفصّل نہیں ہے۔

شاہ باجن کے بعد اُن کے وارثین نے بھی علم وفن کی شمع روشن رکھی۔ ان کے فرزند شاہ عبدالحکیم ابن شاہ باجن کے علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے استاد (عبدالوہاب متقی) کے بھی استاد شیخ علی متقی کو شاہ عبدالحکیم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ ان کی ایک قلمی یادگار ''حاشیہ تلخیص المفتاح'' ہے۔ شاہ عبدالحکیم کے فرزند شیخ فریدالدین بھی صاحبِ تصانیف تھے۔ اسی خاندان میں ایک بزرگ عزت اللہ خاں گزرے ہیں، جنھوں نے فقہ حنفی میں ایک کتاب ''مراۃ المسائل'' تحریر کی۔ ان کے بعد اسی خاندان میں شاہ اسداللہ قادری گزرے۔ اکثر علماء وفضلاء ان سے علمِ تصوف میں درس لیا کرتے تھے۔ انھوں نے کئی سوانح اور مثنویوں کی شرحیں لکھیں۔ شاہ اسداللہ قادری کے فرزند قدرت اللہ نے ۱۲۵۶ھ بمطابق ۱۸۴۰ء میں ''خزائن رحمت اللہ'' کو از سر نو نقل کیا تھا، جسے بابائے اردو مولوی عبدالحق ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۱ء کو برہان پور آ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ شاہ باجن کے بعد برہان پور میں علم وفن، فضل وکمال کی شخصیات کا ایک کارواں نظر آتا ہے۔ حالاں کہ ان سے قبل، شیخ برہان الدین غریب ہانسوی خلد آبادی (آمد ۶۵۴ھ بمطابق ۱۲۵۶ء رخصت ۷۳۸ھ بمطابق ۱۳۳۷ء) کے تین ملفوظات اور سید زین الدین داؤد شیرازی خلد آبادی (آمد ۷۰۱ھ بمطابق ۱۳۰۱ء رخصت ۷۷۱ھ بمطابق ۱۳۶۹ء) کے چار ملفوظات ملتے ہیں۔ جن میں اُردو کے ابتدائی فقرے درج ہیں۔

شیخ نظام الدین ملقب بہ شاہ بھکاری (آمد ۸۳۶ھ بمطابق ۱۴۳۲ء رخصت ۹۰۷ھ بمطابق ۱۵۰۱ء) کے ملفوظات کا ایک مجموعہ، ان کے شاگرد شاہ حمید الدین (۹۲۱ھ بمطابق ۱۵۱۵ء) نے ''فتح الیقین'' کے

نام سے تالیف کیا ہے۔ شاہ حمید الدین کے شاگرد شاہ قطب الدین (متوفی ۹۵۴ھ بمطابق ۱۵۴۷ء) نے ان کے ملفوظات کو جمع کر کے ''دَلِیلُ الصَّالِحِین'' تالیف کیا۔ اس دَور میں علم و فضل اور زاہد و مرتاض شخصیت شاہ شرف الدین شہباز (متوفی ۹۳۴ھ بمطابق ۱۵۲۷ء) گذرے ہیں۔ شاہ باجن کے ہم عصروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ موصوف کے ملفوظات کو ''مَنَاقِبِ شَرِیفِی'' کے نام سے عبدالرحمن ابن حسن ابن شیخ جلال الدین متو نے مدون کئے ہیں۔

شاہ باجن کے بعد ایک اہم نام شیخ علی متقی کا ہے، انھوں نے احادیث، فقہ، تفاسیر پر ۱۰۰ سے زائد کتابیں تحریر کیں۔ ان کے تلامذہ میں عبدالوہاب متقی، طاہر پٹنی، ابو محمد عارفی، محمد بن فضل اللہ قابلِ ذکر اور صاحبِ تصانیف بزرگ گزرے ہیں۔ عبدالوہاب متقی نے اپنے استاد علی متقی کے احوال میں ''مناقب متقی'' لکھی۔ شیخ محمد بن فضل اللہ نے علم تصوف میں ایک کتاب ''تحفتہ المرسلہ'' تصنیف کی۔ جس کا فارسی ترجمہ ملا عبدالغفور برہان پوری اور اردو ترجمہ مطیع اللہ راشد برہان پوری نے کیا۔

فاروقی دور کے دیگر نثر نگاروں میں شاہ جلال الدین ابن نظام الدین نے اسیر گڑھ اور برہان پور کے اولیائے کرام کے حالات پر ایک کتاب ''ملفوظاتِ جلالی'' تحریر کی۔ شیخ ولی محمد شطاری، قاضی سراج محمد بنبانی (ہمدانی) مولانا جلال الدین اللہ والے، مولانا نصیر الدین اللہ والے، شیخ طیب سندھی وغیرہ نے عربی، فارسی میں علم فقہ، تصوف، حدیث، تفسیر، ترجمہ وغیرہ پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ اس دور کے دیگر نثر نگاروں میں اہم نام شاہ عیسیٰ جند اللہ کا ہے۔ انھوں نے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ شاہ عیسیٰ کے فرزند فتح محمد محدث، فتح محمد محدث کے فرزند شیخ شہاب الدین بھی صاحب تصانیف گزرے ہیں۔

مغل عہد کے اہم نثر نگار عبدالرحیم خانخاناں تھے۔ ان کی ولادت و وفات برہان پور میں نہ ہوئی لیکن عمر کا طویل عرصہ یہاں گزرا۔ ان کی ادبی، سیاسی، سماجی خدمات کا زمانہ معترف ہے۔ ان کی سرپرستی میں ملا عبدالباقی نہاوندی نے ۱۰۲۴ھ میں ''مآثر رحیمی'' لکھی۔ جس میں اس دور کے علماء، فضلاء، شعراء اور حکماء کے حالات، کلام اور کارناموں کا ذکر ہے۔ مغل دور کے دیگر نثر نگاروں میں خواجہ ہاشم کشمی نے ''زبدۃ المقامات اور مکتوبات امام ربانی'' کی جلد سوم مرتب کی۔ شیخ عنایت اللہ (جو محمد صالح کنبوہ کے بڑے بھائی تھے) نے ''بہارِ دانش'' ۱۰۶۱ھ میں تحریر کر کے شاہی انعام پایا، ان کے بعد برہان الدین راز الٰہ نے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں، جن میں ''شرح آمنت باللہ، وصیت نامہ'' اور آپ کے مکتوبات مشہور ہیں۔

آپ کے پوتے کریم اللہ رازی بھی نظام آصفی دور کے شاعر و مصنف تھے۔ برہان الدین راز اللہ کے شاگردوں میں شیخ نظام الدین ملقب بہ مقرب خاں نے علماء وفقہاء کی سرپرستی کرتے ہوئے ۸۲ رسال کی عمر میں ''فتاوائے عالمگیری'' ترتیب دی۔ جو آج بھی فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

مذکورہ محدثین، مؤرخین اور محققین کے علاوہ چند ایسے اطباء بھی گزرے ہیں، جنھوں نے علمِ طب میں تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں مغل دور کے حکیم اکبر ارزانی (متوفی ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء) نے ایک ضخیم کتاب ''طبِ اکبر'' تحریر کی۔ نظام آصفی دور (۱۷۲۰ء تا ۱۷۶۰ء) میں حکیم عبدالسلام (متوفی ۱۱۹۳ھ) نے علمِ طب پر اردو میں ''قرابادین سلامی'' لکھی۔ مسلم علماء اور فضلاء کی طرح غیر مسلم حضرات نے بھی عربی، فارسی اور اردو کو فروغ دیا۔ ان مصنفین میں بھیم سین کائستھ نے ''نسخۂ دلکشا'' روپ نارائن کھتری نے ''مختصر اللطیف'' دولت رائے دبیر نے ''تاریخِ آصفی'' اور چندو لال شاداں نے ''عشرت کدۂ آفاق'' لکھی، جو اپنے دور کی مستند تاریخ ہے۔

برہان پور میں اردو کے اوّلین نثر نگاروں میں حکیم عبدالسلام (متوفی ۱۱۹۳ھ بمط ۱۷۷۹ء) اور مولوی سعید الدین مطیع اللہ متوفی (۱۲۹۶ھ بمط ۱۸۷۹ء) کا ذکر ملتا ہے۔ حکیم عبدالسلام نے ''قرابادین سلامی'' علم طب پر اردو میں لکھی اور مولوی سعید الدین مطیع اللہ نے ''رسالہ وعظ و نصیحت'' میں اسلام کی نصیحتوں کو بیان کیا ہے۔ اس لئے باقاعدہ نثر نگاری کا آغاز مولوی خلیل الرحمٰن برہان پوری کے ہاتھوں ہوتا ہے۔

ذیل میں آزادی سے قبل کے نثر نگاروں کا انفرادی تذکرہ کیا جا رہا ہے، جس میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ جن کی ولادت آزادی سے قبل ہوئی اور عمر کے چالیس سال آزادی سے قبل بسر کئے، ان کا ذکر آزادی سے قبل ہی کیا ہے نیز جن حضرات کا قیام کم از کم پانچ برس برہان پور میں رہا اور انھوں نے اس اثناء میں نثری خدمات بھی انجام دیں، ان کا تذکرہ بھی مقالے میں کیا گیا ہے۔

مولوی خلیل الرحمن برہان پوری نے ''فتح المجتہدین، رسالہ صفات متشابہات، علامات القیامہ، صفات الاولیاء، مقامات الاولیاء، احادیث قدسیہ مع ترجمہ اردو، در مکنون، رسالہ افضل الشرفاء اور تاریخ برہان پور'' کتابیں تحریر کیں۔ ان کی سبھی کتابیں مذہب اسلام سے منسلک ہیں۔ آخری کتاب ''تاریخِ برہان پور'' میں برہان پور کی سیاسی، سماجی، علمی و ادبی تاریخ ملتی ہے۔ یہ برہان پور کے سب سے پہلے باقاعدہ نثر نگار ہیں۔

منشی محمد فخرالدین کا ''ملفوظات حضرت شاہ بھکاری'' کے نام سے اردو ترجمہ شائع ہوا۔

حافظ قاری علاؤالدین نے ''سفینہ در بیان شبینہ'' نماز کے بیان میں تحریر کی ہے۔

محمد علیم اللہ خیالی بنیادی طور پر شاعر تھے لیکن نثر پر بھی دسترس حاصل تھی۔ ماہ نامہ شاعر میں صدارتی خطبات اور ادبی مضامین ملتے ہیں۔

حکیم گشن داس نے علم طب پر کتاب ''سرمایہ عشرت'' کے نام سے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ جس کی زبان نہایت معیاری ہے۔

مولوی اختر محمد خان (رام پوری) نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تراجم میں پوری زندگی بسر کردی، تقریباً ۳۰ رکتابیں ان کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ان کے جیسی علمی وادبی شخصیت کی مثال کم ہی ملتی ہے۔

عنایت علی آغاز بنیادی طور شاعر تھے۔ ماہ نامہ شاعر میں ان کے تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔

سیّد زوار حسین عالی اللہ آبادی شاعر، صحافی اور غالباً برہان پور کے پہلے ناول نگار تھے۔ اخبار ''البرہان'' جاری کیا۔ دو ناول ''جیسی سانپ اور آبِ بقا'' تحریر کئے۔ ان کا قیام پہلے چند سال کھنڈوہ پھر برہان پور رہا، عمر کا آخری حصّہ اکولہ (مہاراشٹر) میں گذرا، وہیں وفات پائی۔

حشمت اللہ ریاضی نے برہان پور کی تاریخی عمارات پر کئی مضامین لکھے جو روزنامہ اتحاد بمبئی، ماہ نامہ الہام پونہ اور دیگر رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے۔ تاریخِ برہان پور پر ایک کتاب تالیف کی جو طباعت کی روشنائی نہ دیکھ سکی۔

مطیع اللہ راشدؔ برہان پوری ایک بلند پایہ شاعر، مترجم، نثر نگار اور محقق تھے۔ ''حضرت نظام الدین شاہ بھکاری، تحفۃ المرسلہ (اردو ترجمہ) برہان پور کے سندھی اولیاء'' وغیرہ ترجمے اور تذکرے شائع ہوئے۔ ان کے تحقیقی مضامین نوائے ادب ممبئی، دل کراچی معارف اعظم گڑھ یو. پی وغیرہ ہندوپاک کے مشہور رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ آزادی کے بعد کراچی پاکستان چلے گئے تھے۔

ایڈوکیٹ بشیر محمد خان کے تحقیقی مضامین، معارف، عالمگیر، ادب لطیف وغیرہ میں شائع ہوتے تھے۔ ایک کتاب ''تاریخِ اولیائے کرام برہان پور'' تحریر کی ہے۔

مولوی افتخار احمد خلیل (فرزند مولوی اختر محمد خان رام پوری) کا گراں قدر کارنامہ "تذکرہ شعرائے برہان پور" ہے، جو برہان پور کا پہلا اردو تذکرہ ہے، یہ سہ ماہی رسالہ "اردو" اورنگ آباد میں ۱۹۳۱ء کو شائع ہوا، جس کے مدیر بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے۔ اس تذکرے پر مولوی افتخار احمد خلیل کو نظام آصفی سرکار حیدر آباد دکن سے پچاس روپیے انعام کے طور پر ملے تھے۔ وہ بہترین مقرر بھی تھے۔

محمد اسماعیل فہمی نے عبدالباقی نہاوندی کی کتاب "مآثرِ رحیمی" کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا۔



۱۹۴۸ء سے ۱۹۷۰ء تک کے نثر نگاروں کا انفرادی ذکر ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔ جس میں ان نثر نگاروں کا تذکرہ ہے، جن کی پیدائش آزادی سے قبل ہوئی اور ان کی عمر ۱۹۷۰ء تک چالیس برس یا اس سے زیادہ ۶۲ برس ہو گئی تھی۔ یعنی ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۰ء تک ولادت پانے والے نثر نگاروں کو اس باب میں (چہارم) میں رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر سیّد ظہیر الدین مدنی اردو کے مایۂ ناز محقق و ناقد گزرے ہیں۔ انھوں نے دو شادیاں کیں اور دونوں ہی بیویاں برہان پور کی تھیں۔ نوائے ادب کی ادارت اور اسماعیل یوسف کالج سے سبکدوش ہو کر برہان پور میں عمر کا آخری طویل حصہ گزارا۔ انھوں نے سیکڑوں مضامین لکھے اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ولی کے "رسالۂ نور المعرفت" کو ترتیب دیا۔ غالب کے شاگرد "میاں داد خاں سیاح" کی تحقیق کی۔ "سخنوارانِ گجرات" پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ ولی پر "ولی گجراتی" اور "گجراتی مثنویاں" ان کی تحقیقی و تنقیدی بصیرت کا ثمرہ ہیں۔

مولانا محمد محسن عربی فارسی کے مدرس اور بہترین خطاط تھے۔ ان سے سیکڑوں طلباء مستفیض ہوئے۔ عمر کے آخری پڑاؤ پر ایک کتاب "محسن القوائد" تالیف کی ہے۔

محبوب الحق ارمان برہان پوری کا اصل میدان شاعری تھا۔ مالیگاؤں میں بھی قیام رہا۔ انھوں نے کئی کتابیں ترتیب دے کر شائع کیں "تاریخ معدن چیدہ" یادگار تالیف ہے۔

جاوید انصاری شاعر، مرتب، مؤلف، محقق، مؤرخ گزرے ہیں۔ "سلک گہر" میں صوبۂ متوسط برار (سی، پی اینڈ برار) کے شعراء کا انتخاب، مختصر سوانح اور علمی خدمات کا (۱۹۴۷ء) تک جائزہ پیش کیا ہے۔ اسی

سلسلے کی دوسری کتاب ''یادگارِ سلف'' میں برہان پور کے عربی، فارسی اور اردو کے فن کاروں کا تذکرہ مختصر طور پر کیا ہے۔ '' آثارِ فاروقیہ'' اور '' شاہ کارِ فاروقیہ'' اور مسجد گائڈ میں برہان پور کی تاریخی عمارات کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ ''فیضِ روحانی'' اور ''فیضانِ متقی'' میں نظام الدین شاہ بھکاری اور شیخ علی متقی کی مختصر سوانح حیات درج ہیں۔ تاریخِ برہان پور بھی مرتب کی تھی لیکن شائع نہ ہو سکی۔

مولوی معین الدین ندوی مدرسہ چراغ ہدایت جل گاؤں میں دینیات اور سارو جنک ہائی اسکول (جل گاؤں) میں تدریس کرنے کے بعد حکیمیہ ملٹی پرپز ہائیر سیکنڈری اسکول برہان پور میں عربی، فارسی، اردو کے ساتھ سیوا سدن کالج برہان پور میں تقریباً ۲۰ رسال تک اردو، فارسی کے لکچرر رہے۔ تحقیقی مضامین معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوتے رہے۔ ایک کتاب ''برہان پور دارالسرور مرکزِ علم وادب'' شائع ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر شیخ فرید کا نام قدیم اردو ادبیات کی تحقیق سے وابستہ رہا ہے۔ دکنی اور گجراتی کے مایۂ ناز محقق مانے جاتے تھے۔ ان کے سیکڑوں تحقیقی مضامین نوائے ادب ممبئی، معارف اعظم گڑھ ہفت روزہ ہماری زبان وغیرہ ہند کے مشہور رسائل و جرائد اور اخبارات میں نصف صدی سے زیادہ عرصے تک شائع ہوتے رہے۔ کئی پروجیکٹ پر کام کیا۔ کتابوں پر تبصرے کئے۔ ادارت کی۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ انجمنِ اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی سے وابستہ رہے۔ ایک درجن ریسرچ اسکالروں کے نگراں رہے۔ دو کتابیں ''شاہ عیسیٰ جنداللہ اور شاہ باجن اور گجری کلام'' شائع ہوئیں۔

برہان پور کی طبی تاریخ میں حکیم حافظ محمد صدیق عرف بھوپالی حکیم ایک اہم نام ہے۔ انہی کے فرزند **محمد سعید صدیق**، مسعود صدیقی اور محمد احمد صدیقی عرف خلش جعفری تھے۔ **سعید صدیقی** نے اپنے والد کی سوانح بنام ''سوانح حیات حکیم محمد صدیق صاحب المعروف حکیم بھوپالی صاحب'' تحریر کی ہے۔ سوانح عمری کے پس پردہ آزادی سے قبل برہان پور کے سیاسی سماجی حالات کی بھی منظر کشی کی ہے۔

ملا عبدالسلام برہان پوری نے حیدرآباد اور برہان پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہ عربی، فارسی، اردو کے علاوہ گجراتی اور سنسکرت زبان بھی جانتے تھے۔ علم نجوم اور حکمت میں بھی دلچسپی تھی۔ مذہبی اور تحقیقی مضامین بانو، نوائے ادب میں شائع ہوئے ہیں۔

حاجی محمد ناظم وارثی نے شاعری کے علاوہ نثر کے میدان میں بھی اپنے قلم کو جنبش دی ہے۔ کچھ مضامین ''ذکرِ غم، اذکارِ غم'' کے علاوہ بھی ملتے ہیں۔

محمد نور الہدیٰ ایڈوکیٹ ۵۰ سال وکالتی خدمات، مقامی طبیہ کالج کے سکریٹری اور اعزازی پرنسپل، مسلم نمائندہ کمیٹی کے رکن، ضلع وقف کمیٹی کے صدر وغیرہ کے فرائض کے ساتھ دوروزہ مدھیہ پردیش تعلیمی کانفرنس کے کنوینر بھی رہے۔ سیواسدن کالج کے شعبۂ قانون میں کئی سال اعزازی طور پر لیکچرر رہے۔ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور سات کتابیں تصنیف کیں ''اسلامی فرقوں کا اصل اسلام سے انحراف، کیا آپ عقل سے کام لیتے ہیں، دینِ اسلام سے متعلق ۵۰ سوالوں کے جوابات، کیا ہندو دھرم بھی اسلام تھا، دین اسلام سے متعلق ۵۰ جوابوں کی وضاحت، اسلام اور عورت، اللہ تعالیٰ کے فرمان بذریعہ قرآن پاک''۔

مرزا محمود بیگ سازؔ استاد شاعر ہونے کے علاوہ بہترین ناظم مشاعرہ اور مقرر تھے۔ مقامی سیواسدن کالج میں انگریزی زبان کی تدریس کی۔ چند مقالات، کچھ مضامین اور تبصرے تحریر کئے ہیں۔

صدیق اکبر نہایت سرگرم شخصیت کے مالک تھے۔ نثر، کتابت، خطابت، سیاست، صنعت کوئی میدان ان کی خدمت سے خالی نہیں ہے۔ تجارت کے دوران کئی مضامین تحریر کئے۔ تجارت کے بعد مختلف ریڈیو اسٹیشن سے ادبی، سماجی، سیاسی اور مذہبی مضامین نشر ہوئے، اردو ہندی ماہ نامہ ''خلوص'' مہو میں ان کے مضامین ملتے ہیں۔ چند کتابوں پر تبصرے کئے۔ ان کی قابلیت خطوط میں کھلتی ہے۔ مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، فضل تابش، ڈاکٹر عزیز اندوری وغیرہ کو لکھے گئے خطوط علمی وادبی اور سادہ زبانی کے مظہر ہیں۔

شیر محمد عرشی نے آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد کچھ رومانی افسانے لکھے، جو اس دور کے رسائل وجرائد میں شائع ہوئے، آزادی کے بعد اندور چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

مسعود صدیقی صحافتی دنیا کا اہم نام ہے، انھوں نے ممبئی میں مختلف رسائل اور اخبارات کی ادارت کی، عرب میں لائبریرین رہے اور ساحر لدھیانوی کی مشہور نظم پرچھائیاں کو عربی کا جامہ پہنایا۔

اندرسین اثرؔ کی خدمات کا دائرہ نماڑ کے دو ادبی مرکزوں کھنڈوہ اور برہان پور سے منسلک ہے۔ شاعر اور صحافی کی حیثیت سے خود کو ادبی حلقوں میں متعارف کرایا۔ ماہ نامہ ''شجر'' برہان پور جاری کیا اور اس کی ادارتی ذمے داری سنبھالی۔



باب پنجم ''برہان پور میں اردو نثر نگاری ۱۹۷۱ء سے دور حاضر تک'' میں ۱۹۳۰ء کے بعد ولادت پانے والے نثر نگاروں کو شامل کیا گیا ہے۔ نیز ایسے فن کاروں کو بھی شامل کیا گیا، جن کا قیام برہان پور میں کم از کم پانچ برس رہا۔ اس باب کے نثر نگاروں کا مختصر خاکہ ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

غازی بن عبداللہ کی ولادت ووفات برہان پور کی ہے۔ روزگار کے سلسلے میں بمبئی میں قیام رہا۔ ناول ''آخری پٹھان اور ہندوستان کی حسینہ'' تحریر کیے۔ ''تاریخ اسلام کی جھلکیاں، فلمی ستاروں کی بیت بازی'' وغیرہ کتابیں تالیف وترتیب دیں۔

آزادی کے بعد برہان پور کی شعری، نثری، تعلیمی ترقی میں **مخدوم جابر برہانی** کا بھی شمار ہوتا ہے۔ تعلیمی سوسائٹی ترتیب دے کر سیکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔ اور نائٹ مدرسہ قائم کیا۔ جنتا لائبریری کے سیکریٹری کی ذمے داری سنبھالتے ہوئے پندرہ روزہ ادبی نشستوں کا اہتمام کیا۔ جس میں مقامی ادیبوں اور شاعروں کے علاوہ بیرونی ادیب وشعراء میں علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، کرشن چندر، ظ. انصاری وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ خطوط نگاری کے علاوہ انھوں نے چند خاکے، سپاس نامے، مقالے تحریر کئے۔ ماہ نامہ ''نئے چراغ'' کھنڈوہ کی مجلسِ مشاورت میں شمولیت رہی اور کتابوں پر مقدمے، تبصرے بھی کئے ہیں۔

برہان پور کی سیاسی، سماجی اور ادبی تاریخ میں **اختر پرویز** کی خدمات قابل ذکر رہی ہیں۔ ابتدا میں انگریزی کہانیاں اردو میں ترجمہ کیں۔ ادبی، تاریخی، تحقیقی مضامین لکھئے جو ''ہماری زبان دہلی، روز نامہ اردو ٹائمز، ندیم بھوپال اور انقلاب بمبئی، رسالہ شمع، بانو'' میں شائع ہوئے۔ ایک افسانوی مجموعہ ''خون پھر خون ہے'' شائع ہوا، اس کے علاوہ ایک کتاب ''شاہ باجن ایک مطالعہ'' بھی شائع ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر فیروز حسین حاجی نے قادریہ ہائی اسکول سے تدریس کا سلسلہ شروع کیا پھر سیفیہ گولڈن جبلی قادریہ کالج میں صدر شعبہ اردو رہے۔ دو سالانہ میگزین کی ادارت کی۔ چند ادبی وتنقیدی مضامین ماہ نامہ ''شاعر'' میں شائع ہوئے۔ اہم کارنامہ تحقیقی مقالہ بعنوان ''اردو غزل حالی تا حال'' ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں تحریر کیا۔ جس میں حالی سے ۱۹۶۰ء تک کے شعراء اور ان کے کلام کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے۔

ظفر علی سیّد ڈاکٹر شیخ فرید کے بعد قادریہ اسکول میں مدرس کی خدمات انجام دیں بعدازاں نیپا (نیپانگر) مل میں ملازمت اختیار کی مؤظف ہوکر اندور چلے گئے، وہاں بھی مختلف اسکولوں میں تدریس کا سلسلہ مرتے دم (۲۰/مارچ ۲۰۰۹ء) تک برقرار رہا۔ آزادی سے قبل سہ ماہی بہارستان کھنڈوہ میں کئی علمی ادبی اور بچوں کے ادب کے متعلق مضامین شائع ہوئے، قادریہ اسکول میگزین نکالنے میں موصوف کا بڑا ہاتھ رہا۔ ماہنامہ کھلتی کلیاں، کھلونا، پھلواری میں بچوں کے ادب پر سیکڑوں مضامین شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ملک کے نامور رسائل میں ان کے تعلیمی، ادبی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

حسینہ بیگم ڈاکٹر شیخ فرید کی ہمشیرہ ہیں۔ درس وتدریس کے سلسلے سے جامعتہ الطاہرات، مدرسہ قریشیہ اور مدرسہ عائشہ میں طالبات کو سنوارنے، نکھارنے میں ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف ہوا۔ فی الحال صاحب فراش ہیں۔ انھوں نے دینی تعلیم کے علاوہ ایم اے اردو اور ایم اے فارسی کیا ہے۔ ایم اے فارسی سال آخر میں انھوں نے ایک اہم تحقیقی مقالہ (Dessertation) بعنوان ''خواجہ ہاشم کشمی: احوال وآثار'' ڈاکٹر خلیل الرب کی نگرانی میں قلم بند کیا۔ یہ برہان پور کا پہلا ایم اے کے لئے لکھا گیا مقالہ ہے۔ جسے ڈاکٹر شیخ محبوب نے اپنی سوسائٹی سے کتابی شکل میں شائع کیا لیکن افسوس حسینہ بیگم نے جس قدر عرق ریز محنت اور مستند حوالوں کے ساتھ یہ مقالہ تحریر کیا تھا اور اپنے بڑے بھائی پروفیسر شیخ فرید کے توسط سے انگلینڈ سے خواجہ ہاشم کشمی کے دیوان کی مائیکروفلم بلوائی تھی، شائع شدہ کتاب بغیر دم اور سونڈ کا ہاتھی ٹھہری....ان کے کچھ مذہبی مضامین ماہنامہ بانو دہلی میں بھی ملتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام رسول ساجد شاداں خلیقی کے فرزند اور شاعر تھے۔ تدریس کے سلسلے میں طویل عرصہ ممبئی میں قیام رہا وہیں ۱۵/اپریل ۲۰۰۲ء کو وفات پائی اور ۱۶/اپریل ۲۰۰۲ء کو برہان پور میں مدفون ہوئے۔ انھوں نے ڈاکٹر خورشید نعمانی کی نگرانی میں اہم، وقیع، تحقیقی مقالہ بعنوان ''اردو کی منتخب تاریخوں کا تنقیدی جائزہ'' سپردقلم کیا اور بمبئی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند پائی۔

وصال الدین احمد مشہور کتب فروش، رشید بک ڈپو برہان پور کے مالک تھے۔ درس وتدریس سے وابستہ تھے۔ انڈیا لائبریری میں پندرہ روزہ ادبی نشستوں میں کچھ ادبی مضامین پڑھے۔ چند انشائیے تحریر کئے۔ سہ ماہی بہارستان کھنڈوہ میں بھی مضامین ملتے ہیں۔

ماسٹر ایم انور خان درس وتدریس سے وابستہ تھے، ادب اطفال میں خصوصی دلچسپی تھی۔ نظم ونثر پر مشتمل تخلیقات بچوں کے مشہور رسائل وجرائد میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ انھوں نے مختصر خودنوشت سوانح

عمری بھی تحریر کی ہے۔جو ان کے فرزند ماسٹر ریحان انور کے پاس (دیگر تخلیقات کے ساتھ) محفوظ ہے۔

ایڈوکیٹ سراج احمد انصاری نے شرد پگارے کے ہندی ناول ''گل آرا بیگم'' کو اردو میں ترجمہ کیا۔ناول کے ترجمہ میں جس حسن و خوبی سے زبان و بیان اور الفاظ کا برمحل استعمال کیا ہے۔اس سے یہ ناول طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔

ماسٹر محمد اظہر محمد اظہر بچومیاں کے نام سے مشہور ہیں۔مزاحیہ مضمون ''ٹھوکم ٹھاک ریڈیو اسٹیشن'' سے نثر کی ابتدا ہوئی۔اصل میدان مراسلہ نگاری ہے۔درس و تدریس سے وابستہ تھے۔کاشف اندوری،ساز، محمود درانی، مشتاق شفقی وغیرہ کے کلام پر تبصرے، مختلف النوع موضوعات پر مضامین تحریر کئے جو ملک کے مشہور اخبارات میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر شیخ محبوب ایک کامیاب معالج کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔نثر کی ابتدا مراسلہ نگاری سے ہوئی۔پھر چند مختصر مضامین شائع ہوئے ایک کتاب ''تصوف'' تالیف کر کے شائع کی ہے۔

ماسٹر اقبال احمد کی تدریس سے وابستگی ہے۔انڈیا لائبریری میں مضامین اور چند انگریزی افسانوں کے ترجمے پڑھے جو ممبئی کے کچھ رسالوں میں شائع ہوئے۔ایک انگریزی کتاب کو اردو کا جامہ بھی پہنایا ہے۔

اقبال نصیب شاعری کے علاوہ ماہنامہ ''شجر'' برہان پور کے معاون مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔انڈیا لائبریری میں چند ادبی مضامین پڑھے ہیں۔

خلش جعفری اصل نام محمد احمد صدیقی تھا مگر خلش جعفری کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔کنھیالال کپور، کرشن چند، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، مجروح سلطان پوری وغیرہ حضرات سے شناسائی رہی۔عمر کا ایک بڑا حصہ ممبئی میں گزرا، وہاں روزنامہ اردو ٹائمز اور انقلاب کے مدیر رہے۔اسی سلسلے میں انھیں مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے صحافتی ایوارڈ سے سرفراز کیا تھا۔

حکیم محمد نصیر انصاری کی نثری ابتدا مراسلہ نگاری سے ہوئی۔بچوں کے نثری ادب میں دلچسپی رہی۔چند کہانیاں روزنامہ ''انقلاب'' میں شائع ہوئیں۔آکاش وانی اندور ریڈیو اسٹیشن سے بچوں کے لئے مختصر سی کہانیاں اور لطائف نشر ہوئے اور بس!

اختر آصف نے شاعری کے علاوہ ہفت روزہ ''برہان پور ٹائمز'' میں معاون مدیر کی خدمات انجام دیں۔بعد

ازاں ہفت روزہ ''المنشرح'' میں بھی صحافتی خدمات انجام دیں۔ ان کا قلم مقامی اخباروں کو سہارا دینے کے لئے لاٹھی کا کام کرتا رہا۔ متعدد شعری مجموعوں پر تبصرے بھی لکھے ہیں۔

اسیؔر امیدی برہان پوری نے سہ ماہی ادبی رسالہ ''نویدِ نو'' مالیگاؤں کی ادارت کی اور چند شعراء کے کلام پر تبصرے لکھے ہیں۔

شریف الدین ناشر نے متعدد مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسلام، تدریس اور بچوں کے لئے اقبال کے اشعار کی تشریحات، طفلی کہانیاں، مضامین تحریر کئے جو مختلف اخبارات و رسائل کی زینت بنے۔

فضل صدیقی آزادی کے بعد برہان پور کی اردو صحافت کو ترقی عطا کرنے میں فضل صدیقی کا نام اہم ہے۔ انھوں نے پے در پے کئی ماہنامے ہفت روزہ اور روزنامہ جاری کئے جو ادبی، سماجی، سیاسی اور بچوں کے ادب پر مشتمل تھے۔ اس کے علاوہ آشنا صدیقی اور تیر انداز کے نام سے انھوں نے کئی افسانے لکھے جو مختلف اخبارات و رسائل کی زینت بنے، ریڈیو سے بھی ان کے مضامین، افسانے اور بچوں کے ادب کے متعلق کہانیاں نشر ہوئی ہیں۔ چند غیر مطبوعہ ناولوں کا بھی روایتاً ذکر ملتا ہے۔

ماسٹر صابر شیخ تدریس سے وابستہ رہے۔ فن خطاطی کا درس بھی جاری ہے۔ اسی تعلق سے دسیوں مضامین سہ ماہی ''تمثیل'' بھوپال میں شائع ہو چکے ہیں۔ فن خطاطی پر ایک کتاب ''رموزِ نستعلیق'' بھی مرتب کی ہے۔

ڈاکٹر سیّد شرف الدین کامیاب مدرس ہیں۔ علم و ادب سے وابستگی اسی پیشے کے سبب ہے۔ اکا دکا مضامین شائع ہوئے ایک کتاب ''تاریخ خانوادۂ حضرت شاہ برہان الدین محمد رازِ الٰہ شطاری و حضرت شاہ جمال الدین قادری'' لکھی۔ اہم کارنامہ ''دکن کے اہم صوفی شعراء'' پر تحقیقی مقالہ ہے جو ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔

ایڈوکیٹ الطاف احمد انصاری ایک خاموش ادبی خدمت گزار ہیں۔ ماہنامہ ''شجر'' برہان پور میں منیجر کے فرائض انجام دیئے۔ مومن جماعت برہان پور کے سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ آصف پروڈکشن کے ابتدا سے حال تک صدر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے برہان پور کی تاریخ پر ایک فلم بنائی تھی، جسے انگلینڈ سے فنیشنگ کروا کر غالب میدان میں دکھایا گیا تھا۔ اس کی کہانی اور اسکرپٹ موصوف نے مختلف تاریخی کتابوں سے مرتب کی تھی۔ ویسے ماہنامہ شجر میں ان کے کچھ انگریزی سے اردو ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔

ذکی الدین ناچیز شاعری میں خلیق برہان پوری کے شاگرد ہیں۔ پادرلوم سے وابستگی کے سبب ذکی الدین مقادم کے نام سے مشہور ہیں۔ بھیونڈی قیام کے دوران تین چار افسانے شائع ہوئے، اپنے والد ملا اسلام برہان پوری کی تحریروں سے متاثر ہو کر ایک کتاب ''کردار و اعمال'' مرتب کر کے شائع کی ہے۔

محمد ابراهیم قریشی قادریہ اسکول میں تعلیم کے دوران انھوں نے ''آزادی نمبر'' کی ادارت کی اور اس اسکول میگزین میں ان کے تین مضامین بھی شامل ہیں۔ ۱۹۷۵ء کے بعد اندور چلے گئے اور وہاں ایک ہندی روزنامہ کی ادارت کی۔ بہترین مقرر ہیں۔ کچھ مضامین اخبار دعوت میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

بسم اللّٰہ عدیم شاعری کے علاوہ مختلف ادبی و سماجی انجمنوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ بچوں کے لئے کہانیاں، مضامین ماہ نامہ ''پیام تعلیم، نرالی دنیا، ہمارے نونہال حیدر آباد، اچھا ساتھی بجنور، شعاع نو کوکن مہاڈ'' وغیرہ رسائل و جرائد میں شائع اور مختلف ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتی رہتی ہے۔

عبدالواحد انصاری /وحشی بیابانی کے قلمی نام سے طنز و مزاح پر چند مضامین شائع ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرشید آثار شاعری اور تدریس سے وابستگی رہی، عرصۂ طالب علمی میں مذہبی رجحان کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں پندرہ روزہ ''نور'' رام پور میں شائع ہوئیں۔ بعد میں انشائیے، طنز و مزاح، سیاسی، معاشی اور تعلیمی نوع کے مضامین لکھے، یہ سب روزنامہ ''انقلاب'' ممبئی میں شائع ہوئے۔ مختلف ادیبوں اور شاعروں کی بچوں کی کہانیوں اور نظموں کو مرتب کر کے شعاع نو بزم فروغ ادب کوکن مہاڈ سے شائع کیا۔ ''کرشن چندر (اردو) اور یشپال سنگھ (ہندی) کے افسانوں کا تقابلی تجزیہ و تنقیدی مطالعہ'' پر تحقیقی مقالہ تالیف کر کے ممبئی یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی سند پائی۔ اس سلسلے میں ہندی کے بہت سے افسانوں کو اردو کا جامہ بھی پہنایا ہے۔

ادبی، سماجی، سیاسی، مذہبی کوئی میدان **لطیف شاهد** کی خدمات سے خالی نہیں۔ استاد شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ مضامین، تقریظ، تبصرے اور تاثرات کو اپنا میدان عمل بنایا۔

پیرزاده سید راشد علی نے ممبئی، پاچورہ اور قادریہ اسکول برہان پور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ممبئی قیام کے دوران مشہور فلمی گلوکارہ کویتا کرشن مورتی کو اردو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ ادبی، تحقیقی اور مذہبی مضامین تحریر کئے ہیں۔

برہان پور کی علم وتحقیق کی مشہور شخصیات میں **ڈاکٹر محمد شفیع** کا شمار ہوتا ہے۔سیوا سدن کالج میں برسوں لیکچرار، اسسٹنٹ پروفیسر اور پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو فارسی کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے اپنی تدریسی خدمات سے سیکڑوں طلبا کو مستفیض کیا۔ایک درجن سے زیادہ ریسرچ اسکالر پی ایچ۔ڈی کے نگراں رہے۔ملک کی مختلف یونیورسٹیز میں تحقیقی مقالوں کے ممتحن، نصاب کمیٹی اور بورڈ آف اسٹڈیز کے ممبر اور چیئر مین رہے۔ادبی، تحقیقی، تنقیدی مضامین، مقالات ریڈیو، ٹی وی اور ملک کے مشہور رسائل وجرائد سے نشر وشائع ہوئے۔متعدد کتابیں، نصاب، ادب، تحقیق، تنقید پر تصنیف وتالیف اور مرتب کیں، جن کے نام اس طرح ہیں۔''اسیر حرص اور اس کا تنقیدی مطالعہ، گلزار نسیم اور اس کا تنقیدی مطالعہ، نظیرا کبرآبادی کی منتخب نظمیں، چکبست کی منتخب نظمیں، نئی روشنی (تعلیم بالغاں پر) آغا حشر کاشمیری اور ان کے ڈراموں کا تنقیدی مطالعہ، مضامین شفیع، خط نگاری، طنز ومزاح اور تنقید''

ماسٹر خورشید احمد درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔اسی تعلق سے کچھ مضامین شائع ہوئے۔تین کتابیں''شاہکار اردو، سہل اردو، نایاب پرائمر'' تالیف کی ہیں۔

ڈاکٹر شہناز شفیع ڈاکٹر محمد شفیع کی شریک حیات ہیں۔اندرا ماٹیسری اسکول میں پرنسپل کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔چند مضامین سیوا سدن کالج میگزین میں ملتے ہیں۔تحقیقی مقالہ ''شمالی بندیل کھنڈ کے اہم شعرا'' پر ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں تحریر کیا۔یہ مقالہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

جمیل اصغر اپنے والد حشمت اللہ ریاضی کی طرح پختہ کار شاعر ہیں انھوں نے ادبی مضامین، تبصرے، چند مقالات اور تعارفی خاکے تحریر کیے ہیں۔مآثر رحیمی (اردو ترجمہ۔محمد اسماعیل فہمی) پر ایک پُر مغز مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

برہان پور کے تیز رفتار لکھنے والوں میں **ممتاز میر / ابوالجراح** کا شمار ہوتا ہے۔یہ اپنی نوعیت کے پہلے نثر نگار ہیں، جن کی تمام تر تخلیقات کا مرکز سماج رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد عثمان انصاری سیفیہ گولڈن جبلی قادریہ کالج میں صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔تعلیمی زمانے میں ڈرامے لکھے۔پھر مختصر ادبی مضامین اخبارات میں شائع ہوئے۔مختلف سیمیناروں میں تحقیقی مقالات پڑھے۔''دکن کے اہم مثنوی نگار شعراء اور ان کے کلام کا تنقیدی جائزہ'' عنوان پر ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ قلم بند کیا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے **ایڈوکیٹ خلیل احمد انصاری** کو ''عمر دی گریٹ'' کے موضوع پر ایل۔ایل۔ایم کی ڈگری سے سرفراز کیا۔نثر نگاری کا آغاز تعلیمی زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔مضامین علی گڑھ میگزین میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

زبیر احمد انصاری کی علم طب پر ''امور طبیعہ، التشخیص، علم العضلات، اصول تشخیص اور علم العین'' کتابیں شائع ہوئیں۔برہان پور کی تاریخ پر ''مدوجذر'' کے نام سے کتاب منظر عام پر آئی ہے۔

اختر پرویز کے بعد برہان پور کے دوسرے کامیاب افسانہ نگار **شبیر احمد روشن** ہیں۔تقریباً دس سالوں سے اردو افسانوی ادب کی خدمت کر رہے ہیں، ان کے افسانے ملک کے مختلف اخبارات، رسائل و جرائد شائع ہوتے رہتے ہیں۔چند خاکے بھی تحریر کیے ہیں۔

سیّد راحت میر نے ابتدا میں چھوٹے چھوٹے موضوعات پر مراسلے لکھے۔بعد میں مضامین تحریر کرنے لگے، یہ سب اصلاحِ معاشرہ پر مشتمل ہیں۔

ریاض ہاشمی نے ہفت روزہ ''برہان پور ٹائمز'' میں کالم ''آپ کے خطوط'' سے نثر کی ابتدا کی۔ان کے چند افسانے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر جلیل الرحمن مدرس، شاعر، ناظم مشاعرہ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔تحقیقی مقالہ ''برہان پور کے اہم مرثیہ نگار'' ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں تحریر کیا۔جس پر دیوی اہلیہ یونیورسٹی اندور نے انھیں پی ایچ۔ڈی کی سند تفویض کی۔یہ مقالہ الکمال اردو فاؤنڈیشن ممبئی کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہو چکا ہے۔کئی کتابوں پر تبصرے کیے ہیں۔ایک کتاب ''دارالسرور'' بھی شائع ہو چکی ہے۔

اعجاز احمد راہی تدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں پیلو کی مسجد حریر پورہ میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔خادم الحجاج کے روپ میں چار مرتبہ عرب جانے کا شرف حاصل ہوا۔ماسٹر محمد اظہر بچو میاں کے بعد اعجاز احمد راہی نے مراسلہ نگاری کے میدان کو سنبھالے رکھا ہے۔اس تعلق سے ان کے سیکڑوں مراسلے ملک کے مشہور اخبارات میں اشاعت پذیر ہوئے۔کچھ مضامین بھی شائع ہوئے ہیں۔

زاھدؔ وارثی مدرس، شاعر اور مضمون نگار ہیں۔کئی برس سے برہان پور کے شعراء پر مواد یکجا کر رہے ہیں۔

شبانہ بانو بیدی نے مختلف تعلیمی اداروں میں تدریس کی اور تعلیم کے تعلق سے مضامین اور ٹی۔وی ٹاک شو نشر اور شائع ہوئے ہیں۔

شعور آشنا نے نظم ونثر کے میدان میں قدم رکھا۔ مضامین اور افسانے تحریر کرتے ہیں۔ مختلف ادیب و شعراء کی تخلیقات کو ترتیب دے کر کتاب ''ایکتا کا بندھن'' شائع کی۔ افسانوی مجموعہ ''نیائے مندر'' زیر ترتیب ہے۔

برہان پور کے عہد حاضر کے نوجوان فن کاروں میں اہم نام **طاھر نقاش** کا بھی ہے۔ وہ مدرس، شاعر، ناظم مشاعرہ، مضمون نگار، خطاط اور سماجی خدمت گار کے طور پر اپنی شناخت قائم کر چکے ہیں۔ مضامین، سپاس نامے، خاکے تحریر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عارف انصاری کا شمار موجودہ عہد کے ذہین اور باشعور قلم کاروں میں ہوتا ہے۔ تدریس کے پاکیزہ پیشے سے وابستہ ہیں۔ نظم و نثر پر یکساں عبور حاصل ہے۔ انھوں نے ''برہان پور کی اردو شاعری پر دبستان لکھنؤ کے اثرات'' پر ایک وقیع مقالہ قلم بند کیا ہے، جس پر دیوی اہلیہ یونیورسٹی اندور نے انھیں پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ اس کے علاوہ عرق ریز کاوش ''تذکرۂ شعرائے برہان پور'' (بیسویں صدی کے آئینہ میں) بھی شائع ہو چکی ہے۔

جمیل انصاری برھان پوری نے پہلے ہندوستانی فلموں سے متعلق مضامین لکھے۔ ایک خاکہ ''اداکار اشوک کمار'' پر تحریر کیا پھر طبیعت میں بدلاؤ آیا۔ بچوں کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ''اللہ کا دوست، بسم اللہ کی برکت، رزق حلال حاصل کیجئے اور تخم کی تاثیر نہیں بدلتی'' وغیرہ روزنامہ ''اردو ٹائمز'' ممبئی سے شائع ہوئے۔ ادب اطفال سے رخ موڑ کر ادبی مضامین کی طرف آئے ''اردو ممتاز شاعر'' کے عنوان سے میر، غالب، اقبال اور اردو کے مشاہیر شعراء کا مختصر تعارف پیش کیا۔ فی الحال یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

حکیم پرویز عالم قادری مشہور معالج حکیم کبیر عالم قادری کے فرزند ہیں۔ والد کی طرح معالج کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ ان کے والد **کبیر عالم قادری** نے ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے۔ ساتھ ہی کچھ مراسلے اور مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح حکیم پرویز عالم کے کچھ طبی مضامین اور مراسلے شائع ہو چکے ہیں۔

سیّد فاروق احمد راحیلؔ نے عرصۂ طالب علمی سے نثری ابتدا مضمون ''ذکر جمیل'' نور رامپور سے کی۔ تاریخ، طب، سوانح، تبصرے، طنز و مزاح اور تنقید جیسے مختلف النوع موضوعات پر مضامین نزدیک و دور کے رسائل و جرائد اور اخبارات میں شائع ہوئے۔ وہ بالغ نظر شاعر و نثر نگار ہیں۔ تین کتابیں ''گلشن غریب نواز، حسنات متقی اور اطبائے برہان پور'' تصنیف و تالیف کی ہیں، جو منتظر اشاعت ہیں

ڈاکٹر شکیل شیخ سیواسدن کالج برہان پور کے شعبۂ اردو میں لیکچرار ہیں۔ کالج میگزین سے نثر کی ابتدا ہوئی۔ روزنامہ ''اردو ٹائمز'' بمبئی میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ سیمینار میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ '' خاندیش کے اہم شعراء'' پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے۔

ڈاکٹر سجاد حسین جعفری برہان پور کے شیعہ اثنائے عشری طبقے اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی **ڈاکٹر ذوالفقار عباس جعفری** نے نندربار مہاراشٹر کے کالج میں تقریباً ۲۰ رسال صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ''اردو ادب میں شخصی مرثیے کا ارتقاء'' عنوان پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ سجاد جعفری بھی مہمان پروفیسر کی حیثیت سے کئی مقامات پر تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ فی الحال کھرگون میں تدریسی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈی ایڈ فاصلاتی کورس کی نصابی کمیٹی میں ''مواد خود آموزی'' اردو تدریس کے متعلق کتاب کی ترتیب و تدوین میں شامل رہے ادبی، تحقیقی، تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ سیمینار میں شرکت بھی کرتے ہیں۔ حال ہی میں نارتھ مہاراشٹر یونیورسٹی جل گاؤں نے بعنوان ''اردو میں ادب الاطفال کا ارتقاء'' پر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا ہے سماجی تعلیم پر اور انگریزی گرامر پر اردو میں کتاب تحریر کی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک کتاب ''غوغۂ نشاط'' بھی مرتب کر کے شائع کی ہے۔

اسرار اللہ انصاری نے دھار، جاورہ، میں بحیثیت مہمان اسسٹنٹ پروفیسر اردو کی تدریس کرنے کے بعد پبلک سروس کمیشن مدھیہ پردیش کا امتحان پاس کر کے ۲۰۰۹ء ماکھن لال چترویدی گرلس کالج کھنڈوہ میں اسسٹنٹ پروفیسر اردو کی حیثیت سے مستقل تقرری حاصل کر لی ہے۔ نثر کی ابتداء بارہویں جماعت میں افسانے سے کی۔ پھر ادبی، تحقیقی اور تنقیدی مضامین تحریر کر رہے ہیں۔ سیمینار میں شرکت بھی کرتے رہتے ہیں۔ فی الحال ''برہان پور میں اردو تحقیق'' عنوان پر تحقیقی مقالہ تحریر کرنے میں مصروف عمل ہیں

اس طرح برہان پور میں اردو نثر کی وہ صورت، جو شاعری میں ہے۔ نظر نہیں آتی لیکن ماضی سے دورِ حاضر تک کے جن مؤرخین، مصنفین، محققین، مؤلفین اور نثر نگاروں کا مقالے میں جو تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برہان پور میں اردو نثر کا ایک مضبوط سلسلہ موجود ہے۔

یہاں نثر کے مختلف النوع میدانوں میں اپنے اپنے طور پر جن ادیبوں اور فن کاروں نے انفرادی کوششیں کی ہیں۔ چاہے وہ کہانی، افسانے، انشائیے، خاکے، ناول، ڈرامے، اداریے، مضامین کی صورت

میں ہوں یا تحقیق، تنقید، تصنیف، تخلیق یا تالیف کی صورت میں ہوں، ان کی کوششیں اور کارنامے قابل رشک ہیں کیوں کہ اردو کے بڑے بڑے مراکز سے دور رہ کر بھی انھوں نے اس سلسلے کو قائم رکھا، جو ایک قابل تحسین کام ہے۔

چنانچہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی کاوشات کو سراہا جائے تا کہ وہ، جو وقت اور زمانے کی گرد میں دبے ہوئے تھے۔ انھیں تحقیق کے ذریعہ باہر لایا جائے۔ لہٰذا اس مختصر سے مقالے میں ان کی کاوشات کو پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

وسیم افتخار انصاری

باب اوّل

برھان پور کی سماجی، ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی تاریخ کا جائزہ

باب اول

برہان پور کی سماجی، ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی تاریخ کا جائزہ

(برہان پور کی تاریخی عظمت)

ہندوستان زمانہ قدیم سے ہی علم وفن، حکمت ودانش، مختلف ادیان اور رنگا رنگ تہذیب وتمدن کا حسین گلدستہ رہا ہے۔ سرزمین ہند پر وسط ایشیاء سے آنے والی قومیں وقتاً فوقتاً اپنے اثرات چھوڑتی رہی ہیں لیکن جب منگول آئے.....جو بعد میں مغل کے نام سے مشہور ہوئے۔ کچھ اس طرح سے یہاں قیام پذیر ہوئے کہ علم وسیاست اور تہذیب وتمدن کی شمعیں روشن کیں۔ جس کی مثال مرور ایام کے ساتھ آج بھی موجود ہیں۔ مغل سلطنت کے حکمراں کا قیام ہند میں مختلف مقامات پر رہا۔ ان میں سے ایک جگہ برہان پور بھی ہے۔

دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک عجوبہ تاج محل ہے۔ جو شاہجہاں اور ممتاز محل کی لاثانی محبت کا حسین شاہکار ہے۔ تاج محل کی داستان میں......شہر برہان پور ایک کہانی کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسا مسلک ہے کہ قیامت تک الگ نہیں کیا جاسکتا۔ تاج محل میں مدفون ارجمند بانو (ممتاز محل) کا انتقال برہان پور میں ۱۷/ذی القعدہ ۱۰۴۰ھ (۷/جون ۱۶۳۱ء) بروز بدھ ہوا تھا۔

(ممتاز محل کا عارضی مدفن۔ ڈاکٹر شیخ فرید۔ بشمول۔ ویران تاج محل)

ممتاز کی لاش کو یہاں آہو خانہ (باغ عالم آراء) میں چھ ماہ کے لئے سپرد خاک کیا گیا۔ بعد میں اس کا بیٹا شاہ شجاع عارضی مدفن سے لاش آگرہ لے گیا.......اور تاج محل میں دفن کی۔ اس طرح جب تک دنیا میں تاج محل قائم ہے۔ برہان پور کا نام بھی تابندہ رہے گا۔

برہان پور جو کسی زمانہ میں دارالسرور کہا جاتا تھا۔ دارالعیار، دکن کی دلی مانا جاتا تھا۔ مدھیہ پردیش صوبے کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے اور اس شہر کی قدامت کا اندازہ یہاں کے آثار قدیمہ اور تاریخی شواہد سے ہوتا ہے۔

برہان پور کو بابِ دکن بھی کہا جاتا ہے۔ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہندوستان میں شمال سے جنوب کی جانب 'آمد و رفت' کے راستے تھے۔ ان میں سے ایک راستہ برہان پور ہو کر گذرتا ہے۔ تاریخ کی قدیم کتابوں میں جو نقشے ہمیں ملتے ہیں۔ ان قدیم نقشوں میں شمال سے جنوب کی جانب راستے دکھائے گئے ہیں۔ ان میں اجین (اونتی) ہے۔ اس کے بعد برہان پور کا ذکر ہے۔

> ''سکندر پران کے تحت ناچی مہاتمے میں جس برن پور کا ذکر ہے وہ یہی برہان پور ہے''

(''برہان پور پریچیہ'' شہر کانگریس کمیٹی برہان پور ہندی سے ترجمہ)

اولاً اس شہر کی بنیاد ایک قریہ سے ہوتی ہے۔ مرور ایام کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے یہ شہر کی شکل میں آج مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ ان حوالہ جات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ شہر کتنا دیرینہ ہے۔ جو

> ''صدیوں تک علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ جس کے آثار اب تک نمایاں ہیں۔ آج بھی جامع مسجد کے فلک بوس مینارے، سلاطین فاروقیہ کے عظیم الشان مقبرے، شاہ نواز خاں اور بیگم شجاع کے روضے، شاہی قلعہ اور محلات کے آثار، آہو خانہ کی عمارتیں، مہاراجہ جے سنگھ کی چھتری، مہاراجہ جسونت سنگھ کا محل، بے شمار مساجد، مقبرے، سرائیں، خانقاہیں، مدرسے اور عالی شان محلوں کی عمارتیں زبان حال سے اس تاریخی شہر کے شاندار دور ماضی کی داستان سنا رہی ہیں۔''

(برہان پور مرکز علم و فن۔ مولوی معین الدین ندوی ص ۱۱)

محل وقوع

برہان پور، مدھیہ پردیش کے جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔ ۲۱ ر درجہ مشرق میں خط سرطان کے نیچے اور سمندری سطح سے ۷۲۳ ارفٹ اونچا ہے۔

ریاست مہاراشٹر کی سرحد پر بمبئی سے ۴۹۹ رکلومیٹر فاصلہ پر سینٹرل ریلوے سے جڑا ہوا ہے اور روڈویز کے ذریعے یہ شہر اندور اجین، دیواس رتلام اور سورت جیسے شہروں سے متصل ہے۔

اس کے مشرق میں زین آباد، دریائے تاپتی اور شمال مغرب میں اسیر کا گھنا جنگل ہے۔ مشہور ریلوے جنگشن بھساول کے شمال میں ۶۲ رکلومیٹر اور ملک گیر شہرت یافتہ گلوکار کشور کمار کے وطن کھنڈوہ (ریلوے جنگشن) کے جنوب میں ۶۹ رکلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

یہ شہر تاپتی ندی کے کنارے غیر ہموار زمین پر بسا ہوا ہے۔ تاپتی ندی شہر سے گذرنے کے بعد بحر ہند میں مل جاتی ہے۔ شہر واضع طور پر چار حصوں میں منقسم ہے۔ مشرقی سمت میں تاپتی ندی، حکیمیہ اسکول، قادریہ اسکول، مغربی سمت میں سندھی بستی، ریلوے اسٹیشن اور خونی بھنڈارا (نہر خیر) ہے۔ شہر کے درمیانی حصہ میں شاہی جامع مسجد واقع ہے۔ شمالی سمت میں صنعتی علاقہ ادھیوگ نگر، گرودوارہ (بڑی سنگت) درگاہ حکیمی (شاہ درہ) ہے۔ جنوب میں شکار پورا گیٹ، سوامی نارائن مندر، راج پورہ گیٹ ہے۔

شہر کی آب و ہوا گرم تر ہے۔ مانسون عام طور پر ۷ رجون سے شروع ہوتا ہے اور لگ بھگ ۵۰ رسینٹی میٹر سے زیادہ برسات ہوتی ہے۔

(بحوالہ مدوجزر ڈاکٹر زبیر احمد انصاری ص ۱۳)

صنعت وحرفت

برہان پور شہر کے بیشتر باشندوں کا ذریعہ معاش پاورلوم ہے۔ آبادی کا کچھ حصہ بیڑی کی صنعت سے وابستہ ہے۔ خورد اشیاء کی تقریباً تمام چیزیں یہاں کی مٹی میں پیدا ہوتی ہیں۔

ماضی میں یہاں پارچہ بافی ہینڈلوم کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ لیکن زمانے کی ترقی کے ساتھ یہاں کی اس صنعت میں بھی چنداں تبدیلیاں آئیں اور جدید مشینوں کا استعمال کثرت سے اس صنعت کو فروغ دینے کے لئے کیا جانے لگا۔

دور قدیم سے اس شہر کو پارچہ بافی میں کمال حاصل رہا ہے۔ اس صنعت میں یہاں کے عوام نے اپنی محنت ومشقت کے ذریعے خوب ترقی کی اور ایسے کپڑے تیار کئے کہ سلاطین ورؤسا اور بیگماتِ حرم نے اپنے ملبوسات بنائے۔

اُس وقت مختلف اقسام کے کپڑے مثلاً کمخواب، اطلس، مشجر، مہتابی، کلابتونی، کناری ڈوریہ، محمودی وغیرہ کی بنائی کی جاتی تھی۔ اس حقیقت کا ادراک درج ذیل اقوال سے ہوتا ہے۔

(۱) پروفیسر نجیب اشرف ندوی ''رقعات عالم گیری'' کے مقدمے میں رقم طراز ہیں کہ برہان پور میں شاہ جہاں، جہاں آرا، اور اورنگزیب کے محلات اور پارچہ بافی کے شاہی کارخانہ قائم تھے۔''

(۲) اطالوی سیاح نکولاؤ منچی اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ ''یہاں انواع واقسام کے کپڑے خصوصاً سرخ و سفید عورتوں کے ڈوپٹے اور نقاب بنانے کا کپڑے بہت عمدہ اور نفیس تیار ہوتا ہے''

(۳) علامہ منظر احسن گیلانی اپنی تصنیف تذکرہ شاہ ولی اللہ میں فرماتے ہیں کہ ''ہندوستان کا مشہور تجارتی شہر جو مغلوں کے عہد میں گویا لنکا شائر یا مانچسٹر ہونے کی حیثیت پارچہ بافی میں رکھتا تھا اور اسی تعلق سے یوروپی تاجروں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا''

صنعت پارچہ بافی کے علاوہ اس دور میں کٹاریں اور بندوقیں ڈھالی جاتی تھیں۔ اسی کے ساتھ خوبصورت تانبہ، پیتل کے برتن نیز کانچ اور مٹی کے رنگ وروغن سے منقش برتن بھی بنائے جاتے تھے۔

(مدوجذر۔ ڈاکٹر زبیر احمد انصاری ص ۱۴)

۱۸۵۷ء کے انقلاب (جسے انگریزوں نے غدر کہا) کے ہنگامے میں اعظم گڑھ، مئو ناتھ بھنجن، مبارک پور، کانپور، بنارس، ٹانڈہ، خیرآباد، فرخ آباد، وغیرہ سے بنکر حضرات آگرہ بمبئی روڈ (نیشنل ہائی وے ۳) سے مصیبتیں اٹھاتے، دکھ جھیلتے مختلف مقامات پر پہنچے۔ راستے میں بے شمار مقامات پہ ان بنکروں نے ڈیرے ڈالے۔ جن میں جبل پور، ناگ پور، کامٹی، شہادہ، دھولیہ، مالیگاؤں اور بھیونڈی شامل ہیں، وہیں برہان پور بھی۔

یوپی کے مومن بنکروں کی آمد سے یہاں زری کے کپڑے، ساڑیاں، الانچہ، پھڑکی، پتامبر، کھنڈالہ وغیرہ کی بنائی ہونے لگی اور اس صنعت میں چار چاند لگ گئے۔

۱۹۰۵ء میں تاپتی مل کا قیام عمل میں آنے سے بنکروں کو کچھ سہولت ملی۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں برہان پور بدلیہ کے سیکریٹری سید بشارت علی صاحب نے امین سیٹھ (مالیگاؤں والے) عبداللہ بھائی سروری اور امانت اللہ سیٹھ صاحبان کو ۲۰، ۲۰ رلوم دیئے اور اکبری سرائے میں ٹریننگ کیمپ لگایا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں ریلوے اسٹیشن اور آبادی کے درمیان بجلی گھر قائم کیا گیا اور صنعت کاروں کو پاور لوم لگانے کی ترغیب دی گئی۔

چنانچہ شہر میں سب سے پہلے پاور لوم لگانے کا اعزاز مولوی امانت اللہ صاحب کو حاصل ہوا۔ ۱۹۵۶ء میں سرکار نے جب رنگین ساڑی پاور لوم پر بنانے کی روک لگادی۔ تب سے پاور لوم پر سفید رنگ کا کورا کپڑا (جس کو لٹھا بھی کہا جاتا ہے) تیار کیا جانے لگا۔ بیم کے لئے سائزنگ کا قیام عمل میں آیا۔ (بیم یعنی تانا جس پر بانا لگا کر کپڑا تیار کیا جاتا ہے) کپڑے کی عمدہ فنشنگ اور بہتر کولیٹی کے لئے کیلنڈرنگ، پرنٹنگ پلانٹ ڈالے گئے اور اس صنعت نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ آج شہر برہان پور میں ہزاروں پاور لوم ہیں۔

وجہ تسمیہ

شہر کا نام برہان پور کیسے پڑا۔اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔تاریخ فرشتہ، سیرۃ الاولیاء، گلزارالابرار چند ملفوظات اور دیگر روایات میں کچھ اختلاف کے ساتھ درج ہیں۔جن کا مختصر تذکرہ غیر مفید نہ ہوگا۔

(۱) سیرۃ الاولیاء اور دیگر روایات میں ہے۔حضرت برہان الدین غریبؒ (المتوفی ۷۳۸ھ) اپنے پیر ومرشد حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی (المتوفی ۷۲۵ھ) کے فرمان کے مطابق دہلی سے دولت آباد روانہ ہوئے

حضرت برہان الدین غریبؒ کے ہمراہ محبوب الٰہی کے معتقدین ومریدین کی ایک جماعت جو اولیاءاللہ پر مشتمل تھی۔یہ قافلہ منزل بمنزل قیام کرتا ہوا،ایک روز دریائے تاپتی کے کنارے آیا۔جہاں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر پڑا۔جس کو''وسانہ''یا''بسانہ'' کہتے تھے۔دریائے تاپتی کے کنارے ایک چٹان تھی۔جو آج ہتھیا چٹان۔کے نام سے جانی جاتی ہے۔غالباً چھ سو سال کا عرصہ گزرجانے کے بعد پانی کے بہاؤ اور مٹی کے کٹاؤ کی وجہ سے اب کنارے سے دور ہوگئی ہے۔اولیائے کرام کی مقدس جماعت نے مذکورہ چٹان پر بیٹھ کر وضو کیا اور نماز باجماعت ادا کی۔

حضرت برہان الدین غریبؒ جو محبوب الٰہی کے خلیفۂ خاص تھے،ان کو یہ پرفضا اور دلکش مقام بہت پسند آیا۔آپ کے دل میں یہ خواہش جاگی کہ یہاں ایک شہر آباد ہو۔چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو بارگاہِ خداوندی میں پھیلایا اور دعا کی''اے مالک مولا تیرے حبیب کے صدقے اس مقام پر ایک شہر آباد کر'' ہاتھوں کا اٹھنا اور دعا کا کرنا تھا کہ آرزو برآئی۔اس کے بعد آپ نے دولت آباد کا رخ کیا۔کچھ عرصہ بعد یہ مقام آباد ہوکر آپ کے اسم مبارک پر''برہان پور'' کے نام سے مشہور ہوا۔

(۲) گلزارالابرار میں درج ہے۔حضرت برہان الدین غریب نے دریائے تاپتی کے کنارے قیام فرمایا۔اس وقت یہاں وسانہ نام کا معمولی گاؤں تھا۔خاندیش کے شاہان فاروقیہ کے آبائے کرام میں سے ایک شخص اس خطے کا ناظم وحاکم تھا۔اس نے آپ کی دل وجان سے خدمت کی۔جب حضرت روانہ ہونے لگے،تو ناظم نے دعائے خیر کیلئے التماس کی۔حضرت نے دعائے خیر کے بعد فرمایا،اس جگہ ایک شہر آباد ہوگا،تمہارے فرزند اس شہر کے حکمراں ہوں گے۔بہتر ہوگا کہ اس نو آباد مقام کا نام اس درویش کے نام پر رکھا جائے۔

(۳) حضرت زین الدین صاحب کے ملفوظات میں یہ روایت اس طرح درج ہے کہ ملک راجہ ابن خانجہاں فاروقی ایک عرصہ تک دولت آباد کا شحنہ رہا۔ وہ آپ کا مرید تھا۔ جو بعد میں فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں صوبہ خاندیش کا ناظم مقرر ہوا۔ اسی کی التماس پر حضرت زین الدین نے اپنے پیر و مرشد حضرت برہان الدین کے نام سے برہان پور اور ندی کے دوسرے کنارے اپنے نام پر زین آباد، آباد کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر ملک راجہ اپنی حیات میں وہ کام انجام نہ دے سکا۔ اور اپنے فرزند نصیر خاں فاروقی کو یہ کام سونپ دیا۔ اس طرح جب نصیر خاں فاروقی خاندیس کا حکمراں ہوا، تو اس نے اسیر گڑھ ا۸۰ھ میں فتح کیا۔ اس کے بعد میں اپنے والد کی نصیحت کے عین مطابق حضرت برہان الدین غریب کے نام پر شہر ''برہان پور'' آباد کیا۔ حضرت زین الدین کے نام پر ''زین آباد'' نامی بستی بسائی۔ آخر اس بابرکت نام کی بدولت شہر برہان پور خوب پھلنے پھولنے لگا اور نصیر خاں نے تھالنیر کے بجائے برہان پور کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔

(تھالنیر دھولیہ شہر سے ۴۰ کلومیٹر پر ہے۔ جہاں شاہی قبرستان میں چار بادشاہ محو خواب ہیں۔)

(۴) تاریخ فرشتہ میں برہان پور کی وجہ تسمیہ کے متعلق روایت ہے کہ جب نصیر خاں فاروقی نے قلعہ اسیر کو اپنے تصرف میں لیا، تو حضرت زین الدین مبارک باد دینے کے لئے خاندیس تشریف لائے۔ دریائے تاپتی کے مشرقی کنارے پر جہاں فی الحال ''زین آباد'' نامی قصبہ آباد ہے، قیام کیا۔ اسیر گڑھ کی جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد نصیر خاں فاروقی اور شہزادے اس مقام پر خیمہ زن ہوئے، جہاں آج برہان پور آباد ہے حضرت زین الدین چوں کہ ولی اللہ تھے اور دین اسلام کی تبلیغ اور درس و تدریس میں آپ کا وقت صرف ہوتا تھا۔ لہٰذا بادشاہ مع شہزادے، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کرنے لگے۔ اس طرح کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ جب رخصت کی گھڑی آ پہنچی، تو آپ نے دریائے تاپتی کے کنارے کھڑے ہو کر ملک کے امن و امان اور سلطنت میں خیر و برکت کیلئے دعا کی۔ جب حضرت دعا سے فارغ ہوئے تو بادشاہ نے درخواست کی۔ آپ نے ہمیں درس دیا اور روحانی فیض پہنچایا، لہٰذا میری ایسی دلی تمنا ہے کہ چند دیہات آپ کی نذر کروں، تا کہ اس کی آمدنی سے آپ کی زندگی یاد الٰہی میں مصروف ہو کر سکون و اطمنان سے گذرے۔ اس پر موصوف نے فرمایا۔ ''ہم درویشوں کو دنیا کی دولت، دنیا کی شہرت، دنیا کی عظمت اور سامان عیش و آرام سے کوئی غرض نہیں۔ ہم فقیر ہیں۔ ہمیں شہنشاہی انعام و اکرام سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر آپ کو ہم سے عقیدت و محبت ہے تو اسی عقیدت و محبت کے زیر اثر، آپ جس مقام پر خیمہ زن ہیں۔ وہاں میرے پیر

صاحب برہان الدین غریب کے نام پر ایک شہر آباد کر کے اس کا نام "برہان پور" رکھئے۔ جو میرے پیر کی تمنا تھی ۔جہاں میرا قیام ہے۔ وہاں ایک بستی بسا کر اس کا نام "زین آباد" رکھیئے۔ چنانچہ بادشاہ نے زین الدین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک ہی دن، دونوں مقامات پر معماروں کو فائز کر دیا اور تعمیری کام شروع کرا دیئے۔ اس طرح چند روز بعد ۸۰۹ھ یعنی ۱۴۰۷ء میں برہان پور اور زین آباد عالم وجود میں آگئے۔

(۵) سید زین الدین داؤد شیرازی کے متعلق بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے۔ آپ دوبارہ دہلی سے روانہ ہو کر پاک پٹن اور اجمیر شریف ہوتے ہوئے، دولت آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ جب دکن کی سرحد میں داخل ہوئے تو صوبۂ خاندیس میں دریائے تاپتی کے کنارے اسی مقام پر ٹھہرے۔ یہاں نماز ادا کی اور مراقبہ میں معلوم ہوا کہ یہاں ایک شہر آباد ہوگا۔ یہاں سے روانہ ہو کر دولت آباد پہنچے۔

۸۰۹ھ یعنی ۱۴۰۷ء میں شہر برہان پور آباد ہوا۔ مشہور صوفی بزرگ حضرت برہان الدین غریب کے نام پر "بسانا" یا "وسانہ" کا نام برہان پور رکھا گیا اور نصیر خاں فاروقی نے اسے آباد کیا۔

(حضرت برہان الدین غریب کا مزار دولت آباد سے ۶ میل کے فاصلہ پر خلد آباد میں واقع ہے۔ آپ کے مزار پر محمد تغلق کے زمانے میں (۷۴۴ھ) گنبد تعمیر کیا گیا)

برھان پور کی سیاسی، سماجی تاریخ

شہر برہان پور کی تاریخ ۶۰۰ رسال پرانی ہے۔ اس تاریخی اسٹیج نما اسکرین پر مختلف حکمرانوں اور سلاطین کی تصویریں ابھرتی ڈوبتی رہتی ہیں۔ اس اسٹیج پر سلاطین فاروقیہ نے زبان فارسی میں اپنا دوسو سالہ شاندار پروگرام پیش کیا۔ مغلوں نے بھی فارسی زبان کے توسط سے تقریباً ایک سوبیس برس گرمایا اور طرح طرح سے اس اسٹیج کی شان وشوکت میں اضافہ کیا۔

ان دونوں پروگراموں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ فاروقیہ ڈرامے میں فارسی کے ساتھ عربی اور سنسکرت کے مکالمات بھی ادا ہوئے تھے۔ مغلوں کے بعد آصفیہ حکومت نے ۴۰ ربرس اس کی نظامت کی ان تمام پروگراموں کے ساتھ ساتھ مشہور صوفی، سنتوں اور علمائے کرام نے اس اسٹیج پر درس وتدریس کی اور اپنی اصلاحی تقاریر سے عوام کو محظوظ فرمایا۔

آصفیہ کے بعد مرہٹوں نے گیت گایا۔ مرہٹہ کے بعد ایک ایسا پروگرام پیش ہوا، جس کی مخالفت تمام سامعین اور ناظرین نے کی۔ جس میں ادیب، شعراء اور عوام شامل تھی۔ وہ پروگرام انگریزی حکومت کا تھا۔ جس نے زبردستی عوام کو ساری رات ڈھول تاشے پیٹ پیٹ کر پریشان کیا۔ تقریباً ۹۰ رسال Horrer show چلا۔

.....اور اس طرح ......۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو آفتاب پھر طلوع ہوا ایک نئی کرن، نئی روشنی اور جگمگاہٹ کے ساتھ دوسرا اسٹیج لئے۔ اب یہ آزاد اسٹیج، عوام کا اسٹیج، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے مقرر ہو گیا۔ ان تمام تاریخی اتھل پتھل کا قدرے تفصیلی جائزہ غیر ضروری نہ ہوگا۔

سلاطین فاروقیہ نے تقریباً دوسو سال برہان پور اور اس کے قرب وجوار میں حکومت کی۔ مملکت خاندیس کے تخت پر بیٹھنے والے سلاطین کی فہرست درج ذیل پیش کی جاتی ہے۔

(۱) نصیر خاں ابن ملک راجہ متوفی ۸۴۱ھ

(۲) میراں عادل خاں متوفی ۸۴۴ھ

(۳) مبارک خاں بن عادل خاں متوفی ۸۶۱ھ

(۴) میراں عین الخاطب بہ عادل خاں بن مبارک خاں متوفی ۸۹۷ھ

(۵) داؤد خاں فاروقی بن مبارک خاں متوفی ۹۱۷ھ

(۶) غزنین خاں دس دن

(۷) عادل خاں بن نصیر الخاطب بہ اعظم ہمایوں متوفی ۹۲۶ھ

(۸) میراں مبارک شاہ فاروقی بن عادل خاں متوفی ۹۷۴ھ

(۹) حسن خاں فاروقی

(۱۰) راجی علی خاں بن مبارک بن اعظم ہمایوں بن عادل خاں بن حسن خاں بن نصیر خاں متوفی ۱۰۰۵ھ

(۱۱) بہادر خاں اختتام سلطنت بعد سقوط اسیر گڑھ

(دارالسرور برہان پور۔ ڈاکٹر شیخ فرید برہان پوری۔ رضا لائبریری جرنل ص ۵۵)

ملک نصیر خاں خاندیس کے پہلے بادشاہ ملک راجہ فاروقی کا فرزند تھا۔ ملک راجہ ابن خانجہاں فاروقی ایک عرصہ تک دولت آباد کا شحنہ رہا ہے۔ اسے حضرت زین الدین داؤد شیرازی سے ارادت وعقیدت تھی۔

سریر بادشاہت کے پہلے فاروقیہ خاندان مختلف درباروں سے وابستہ رہا۔ ملک راجہ کے آباؤ اجداد کی رسائی علاؤالدین خلجی اور محمد تغلق کے دربار تک تھی۔ انھوں نے اپنی شجاعت کا لوہا منوایا اور دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز المرام ہوئے۔

روایتاً تاریخ سے یہ بھی بیان ہوتے سنا گیا ہے کہ ایک مرتبہ فیروز شاہ تغلق اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شکار کی تلاش میں نکلا۔ اس دن اتفاق تھا کہ طعام کا انتظام ساتھ نہ تھا۔ یا خود اعتمادی کی وجہ سے کھانا ساتھ نہ لایا تھا۔ شکار کی چاہ نے جنگل کی خوب سیر کرائی، لیکن جب پیٹ کی آگ نے شدت پکڑی، مارے بھوک کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے، تو اس وقت نہ تو اس کے ساتھیوں کے پاس کھانے کا کچھ انتظام تھا اور نہ ہی اطراف میں کوئی آبادی نظر آئی۔ ملک راجہ بھی اسی دوران شکار کی تلاش کرتے ہوئے اس علاقے میں چلا آیا۔ بادشاہ نے اس کے سامنے بھوک کا سوال رکھا، جواب میں ملک راجہ نے جو کچھ اس کے پاس مہیا تھا۔ بڑی فراخ دلی سے فیروز شاہ تغلق کی خدمت میں پیش کر دیا۔ فیروز شاہ ملک راجہ کے حسن سلوک اور انداز گفتگو سے نہ کہ متاثر ہوا بلکہ اسے اپنے دربار میں مدعو کیا۔

Scanned by CamScanner

جب ملک راجہ نے دربار میں حاضری دی تو فیروز شاہ تغلق نے خوشی سے اسے تین ہزاری منصب عطا کر کے خاندیس کا سپہ سالار بنا دیا۔ یہ وہ سیڑھیاں تھیں، جس پر چڑھ کر ملک راجہ نے اپنی لگن، حوصلہ مندی کے ذریعے تخت بادشاہی تک پہنچا۔

زندگی کے آخری ایام میں ملک راجہ کی صحت خراب رہنے لگی۔ جب اسے زندگی کا چراغ گل ہوتا دکھائی دیا، تو اس نے اپنے بڑے بیٹے، نصیر خاں کو اپنی جانشینی عطا کی۔ چھوٹے بیٹے، ملک افتخار کو قلعۂ تھالنیر کی حکمرانی دے دی۔ ۸۰۱ھ بمطابق ۱۳۹۹ء کو ملک راجہ کا انتقال ہوا، اسے فاروقی شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

پہلے فاروقیہ سلطنت کی راجدھانی تھالنیر میں تھی جو مہاراشٹر میں دھولیہ شہر سے چالیس کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہاں آج بھی فاروقیہ سلطنت (خاندیس) کے آثار قلعہ وغیرہ کی صورت میں موجود ہیں۔ یہاں فاروقی خاندان کا شاہی قبرستان ہے۔

ملک راجہ کے انتقال کے بعد عنان سلطنت سلطان نصیر خاں فاروقی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ نصیر خاں نے بڑی چابک دستی سے حکومت چلائی۔ حکومت کو وسیع کرنے کے لئے اس نے قلعہ اسیر گڑھ کو تسخیر کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔ یہ قلعہ اس وقت آسا نامی اہیر کے اختیار میں تھا۔ جس کے آباؤ اجداد کا پیشہ زمینداری تھا۔ یہ خاندان ایک مدت سے قلعہ اسیر میں قیام پذیر تھا۔

ملک راجہ کے انتقال کے فوراً بعد نصیر خاں فاروقی نے ۸۰۱ھ بمطابق ۱۳۹۹ء میں قلعۂ اسیر تسخیر کر لیا۔ دوسرے سال ۸۰۲ھ بمطابق ۱۴۰۰ء ایک جامع مسجد ''کالی مسجد'' تعمیر کی۔ آج بھی یہ مسجد اچھی حالت میں محلہ دولت پورہ میں مزار حضرت پیر بنا کے قریب واقع ہے۔ اور ''کالی مسجد یا پیر بنا'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

برہان پور آباد ہونے کی تفصیل وجہ تسمیہ کے تعلق سے بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں اس کا خلاصہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ صحیح تاریخ مرتب کرنے میں اور برہان پور آباد ہونے کی تفصیل سمجھنے میں کچھ آسانی ہو سکے۔ حضرت محبوب الٰہی کا حکم فرمانا، حضرت برہان الدین غریب کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ برہان پور تشریف لانا، کئی تاریخی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم پہلو اختر پرویز کے اقتباس سے لیا جا سکتا ہے۔

''فاروقی بادشاہ نصیر خاں نے ۸۰۱ھ میں اسیر گڑھ فتح کیا تھا اور حضرت برہان الدین غریب کا وصال ۷۳۸ھ میں ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ آپ کے وصال کر جانے کے ترسٹھ برس بعد برہان پور آباد ہوا تھا''

جب کہ برہان پور بہت پہلے آباد ہو چکا تھا۔ دارالخلافہ ۸۰۹ھ میں بنا اور اس لحاظ سے موصوف

کے انتقال کے ۱۷۱ برس بعد برہان پور آباد ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع صاحب ''برہان پور میں اردو زبان و ادب'' میں رقم طراز ہیں۔

''۱۴۰۶ھ میں برہان پور آباد ہوا۔ مشہور صوفی بزرگ حضرت برہان الدین غریب کے نام پر نصیر خاں فاروقی نے اسے بسایا'' (برہان پور میں اردو زبان وادب۔ ڈاکٹر محمد شفیع۔ سیوا سدن کالج میگزین)

ڈاکٹر زبیر انصاری ''مدو جذر میں لکھتے ہیں کہ

''فاروقی فرمانروا ملک نصیر خاں نے ۸۰۹ھ بمطابق ۱۴۰۷ء میں شہر آباد کیا''

پہلے پہل اس شہر کی بنیاد گاؤں سے ہوتی ہے۔ لیکن آبادی کا ذکر مکانات کی تعداد کا اندازہ نہیں ہوتا۔ البتہ ۸۰۱ھ بمطابق ۱۳۹۹ء کو نصیر خاں نے قلعہ اسیر فتح کیا۔ حضرت زین الدین خلد آباد سے یہاں تشریف لائے۔ بادشاہ کو مبارک باد دی اور نصیر خاں نے شہر بسایا۔ ۸۰۲ھ کو ''کالی مسجد'' دولت پورہ نصیر خاں نے تعمیر کیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں آبادی ضرور رہی ہوگی۔

درج بالا حوالہ جات سے یہ بات بیان کرنے میں کچھ آسانی ہوگی کہ ۸۰۹ھ بمطابق ۱۴۰۷ء کے پہلے برہان پور آباد ہو گیا تھا۔ اور جب یہ شہر ترقی کرنے لگا تو نصیر خاں نے دارالخلافہ برہان پور کو بنا دیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بھی آسا، خاندان، جیوا کا اسیر گڑھ پر اختیار تھا۔ ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کے ایک ہندی مضمون ''برہان پور اتہاس کے جھروکے سے'' ثابت ہے کہ گیارہویں صدی میں یہ خاندان یہاں قابض تھا۔ اور آسا نے حضرت نعمان شیرازی سے اجازت لے کر ایک پہاڑی پر قلعہ بنایا۔ تو قلعہ آسا اہیر کہلایا، جو بعد میں ''اسیر'' کے نام سے مشہور ہوا۔

عہد فاروقیہ

برہان پور کی سیاسی تاریخ کا باقاعدہ آغاز فاروقی عہد سے ہوتا ہے۔ جس کا پہلا حکمراں نصیر خاں فاروقی ہے۔ اس نے اپنی ذہانت اور چالاکی سے تقریباً ۴۰ برس حکومت کی۔ اپنی بہن کا عقد مالوہ کے بادشاہ ہوشنگ شاہ سے کروایا، اور ہوشنگ شاہ کی بہن سے نکاح کر کے حکومت مالوہ سے تعلق استوار کر لئے۔

کہاوت مشہور ہے ''انسان دولت کے نشے میں اندھا ہو جاتا ہے'' شاید یہی وجہ تھی کہ نصیر خاں نے اپنے چھوٹے بھائی، ملک افتخار کے اختیار سے قلعہ تھالنیر چھین کر خود مختار بننے کا ارادہ کر لیا۔ جس کے لئے اپنی حرم کے بھائی سلطان ہوشنگ سے فوجی امداد مانگی۔ سلطان ہوشنگ شاہ نے اپنے فرزند غزنین خاں کو پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ مالوہ سے روانہ کیا۔ اس طرح ۸۲۰ھ یعنی ۱۴۱۷ء میں نصیر خاں نے فرمانروائے مالوہ کی مدد سے قلعہ تھالنیر فتح کر لیا۔

بادشاہ نصیر کی شجاعت کے چرچے آس پاس کی ریاستوں میں عام ہو چکے تھے۔ بہتوں سلاطین نے بادشاہ سے تعلقات قائم کئے۔ فرمانروائے دکن احمد شاہ بہمنی نے شہزادہ علاؤالدین کے لئے نصیر خاں کی بیٹی کا ہاتھ مانگا۔ نصیر خاں راضی ہو گیا اور شاید یہ اس کی بڑی بھول تھی۔ شادی کے بعد شوہر کے برتاؤ سے پریشان ہو کر ''زینب'' نے اپنے والد کو شکایت کی۔ نصیر خاں کو بڑا ناگوار گذرا۔ اس نے داماد سے باز پرس کی دونوں میں ناراضگی بڑھی..... جنگ ہو گئی۔ اور نصیر خاں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اس شکست نے اس کے وقار کو تاراج کر دیا۔ وہ بیمار ہو گیا۔ آخر ۸۴۰ھ بمطابق ۱۴۳۸ء کو اس کی موت واقع ہو گئی۔ تھالنیر میں ملک راجہ کے پہلو میں نصیر خاں دفن ہوا۔

نصیر خاں کے انتقال کے بعد میراں عادل خاں اپنے والد کی جگہ مسند آرائے سلطنت ہوا۔ بمشکل تین سال حکومت کی تھی کہ ۸۴۴ھ یعنی ۱۴۴۱ء میں اس کی زندگی کا دیا بجھ گیا اور اقتدار حکومت مبارک خاں کے حصے میں آئی۔ اس نے تقریباً ۱۷ برس حکومت کی۔ ۱۴۵۷ء کو واصل بحق ہوا۔ یہ دونوں بادشاہوں کی آخری قیام گاہ تھالنیر میں ہے۔

مبارک خاں کے بعد اس کا فرزند میراں عینا المخاطب بہ عادل خاں سریر بادشاہت ہوا۔ تعمیرات کا شغل رکھتا تھا۔ اس نے قلعہ اسیر کے مقابل ایک قلعہ تعمیر کر کے دروازۂ دوم بنوایا۔ جسے مالی گڑھ کہا جاتا ہے۔
اصل میں اسیر گڑھ کا قلعہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ اوپری حصہ اسیر گڑھ، درمیانی حصہ قمر گڑھ، نچلا حصہ مالی گڑھ کہلاتا ہے۔ عینا عادل خاں نے دروازۂ دوم بڑی چالاکی سے بنایا۔ اس دور میں قلعہ فتح کرنا بہت مشکل کام تھا۔ شہنشاہ اکبر نے خود گیارہ ماہ میں اس قلعہ کو فتح کیا تھا۔

عینا عادل خاں بزرگان دین کا بڑا معتقد تھا۔ جب حضرت شیخ یوسف عرف شاہ جوسی (المتوفی ۸۴۰ھ) پاک پٹن سے آ کر قیام پذیر ہوئے تو بادشاہ نے خانقاہ اور مسجد بنوائی۔ دریائے تاپتی کے کنارے ایک شاندار قلعہ تعمیر کروایا۔ جس کی خوبی دیکھتے ہی بنتی ہے اور ایسی کئی عظیم الشان عمارات عینا عادل سے معمور ہیں۔ جن کے باقیات اپنی زبوں حالی کے غماز ہیں۔ ۸۹۴ھ یعنی ۱۴۹۰ء کو فرمانروائے گجرات محمود بیگڑا نمبر ایک نے خاندیس پر حملہ کر دیا۔ خوب لوٹ مار کی۔ یہ عینا عادل خاں کی غلطی کا خمیازہ تھا کہ اس نے محمود بیگڑا سے لگان کی مانگ کی۔ جس پر اس کو نادم ہونا پڑا۔ محمود بیگڑا نے اسے معاف کر دیا اور چند سال کا خراج پیشگی مع گجراتیوں کو خاندیس سے لے گیا۔ (گجراتی زبان میں بیگڑا اس بیل کو کہتے ہیں۔ جس کے دونوں سینگ اندر کی طرف مڑے ہوتے ہیں، کیوں کہ محمود اپنی لمبی مونچھوں کو اسطرح اونچی رکھتا تھا۔ بیگڑا لگتا تھا)

۸۹۸ھ یعنی ۱۴۹۳ء میں عینا عادل خاں نے سفر آخر اختیار کیا۔ اس کی وصیت کے مطابق ''خطیرۂ فاروقیہ'' دولت میدان برہان پور میں سپرد خاک کیا گیا۔ یہ دریائے اوتاولی کے جنوب میں واقع ہے برہان پور کی سرزمیں پر سلاطین فاروقیہ، مغلیہ کے علاوہ دیگر بادشاہوں نے بھی حکمرانی کی غرض سے قدم رکھا سلطان محمود خلجی ۸۶۶ھ بمطابق ۱۴۶۲ء میں قلعہ اسیر کو فتح کرنے کے ارادے سے برہان پور پہنچا۔ قلعہ کے قریب پڑاؤ ڈال کر یہیں رات گزاری۔

> ''رات کافی ہو چکی تھی۔ اچانک محمود خلجی کی آنکھ کھلی اسے آسمان میں ایک تارہ چمکتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے نوکر کو بلایا اور وضو کیلئے پانی مانگا، نوکر نے بڑے ادب سے کہا، حضور ابھی تو رات کافی باقی ہے اور جسے آپ آسمان کا تارہ سمجھ رہے ہیں۔ وہ اسیر گڑھ کا چراغ ہے۔ سلطان محمود نے سر جھکالیا۔ کچھ دیر

خاموش رہا اور کہا جس قلعے کا چراغ آسمان کا تارا نظر آتا ہو
اسے فتح کرنا ناممکن ہے اور بغیر حملہ کئے لوٹ گیا" (مدوجزر۔ ڈاکٹر
زبیر احمد انصاری ص ۷۷)

میراں عینا عادل خاں کا کوئی وارث نہ تھا کہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ لہذا اس کا بھائی داؤد خاں فاروقی عہدہ برآ ہوا۔ اس نے ۱۶ ربرس حکومت کی ۹۱۴ھ بمطابق ۱۵۰۹ء کو دارفانی سے رخصت ہوا اور عنان سلطان اس کے اکلوتے بیٹے غزنین خاں کے ہاتھوں میں آگئی۔ اس نے ابھی بادشاہی زندگی کے دس دن ہی دیکھے تھے کہ زہر دے کر ہمیشہ کیلئے اس کی آنکھیں بند کردی گئیں۔ پھر خاندان فاروقیہ کا ایک شخص عالم خاں تخت نشین ہوا، لیکن لادن خاں اور دیگر افراد نے اسے سازش کا شکار بنالیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے بادشاہ تبدیل ہونے سے حکومت کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ عادل خاں بن نصیر کو فکر لاحق ہوئی۔ اس نے اپنے نانا سلطان محمود بیگڑا سے امداد کی درخواست کی۔ سلطان نے بھرپور تعاون کیا "اعظم ہمایوں" کا لقب دیا اور مظفر گجراتی کی دختر "رقیہ بیگم" سے شادی کرا کے اسے خان دیس کا حکمراں بنادیا۔

عادل خاں اعظم ہمایوں نے حضرت بہاؤالدین باجن (المتوفی ۹۱۲ھ بمطابق ۱۵۰۸ء) کے مزار پر گنبد اور اس کے مغرب میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی۔ جو آج بھی اچھی حالت میں موجود ہے۔ یہ مسجد "چوڑی والی اور شاہ باجن کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد اور مقبرے کے درمیان برہان پور کے مشہور محقق ڈاکٹر شیخ فرید کا مزار ہے۔ یہ علاقہ شاہ بازار کہلاتا ہے۔ جو حضرت شاہ بہاؤالدین باجن کے نام سے منسوب ہے۔

اعظم ہمایوں کی ملکہ رقیہ بیگم نے محلہ اتوارا میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی۔ جو بی بی کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد تقریباً ۹۳۶ھ بمطابق ۱۵۳۰ء میں تعمیر ہوئی۔ جو قادریہ اسکول کے قریب اتوارا روڈ پر واقع ہے۔

"اس مسجد میں عربی اور فارسی کا ایک بڑا مدرسہ تھا۔ جس میں عہد
عالم گیر کے مشہور عالم مولانا عبدالعظیم صاحب شرح عین العلم کا
درس دیتے تھے" (برہان پور۔ مولوی معین الدین ندوی ص ۳۹)

یہاں ایسے کئی مدرسے قائم تھے، جن میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی، دور دراز سے تشنگان علم آتے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔

۹۲۶ھ بمط ۱۵۲۰ء میں اعظم ہمایوں کی موت کے بعد اس کے فرزند میراں محمد شاہ نے عنان حکومت ہاتھوں میں لی۔ میراں محمد شاہ والیِ گجرات سلطان بہادر کا بھانجہ تھا۔ جو ۹۰۷ھ میں برہان پور آیا تھا۔ دوسری مرتبہ سلطان بہادر دکن اور مالوہ کو تسخیر کرتے ہوئے پھر ۹۳۸ھ کو برہان پور آیا اور دکن کا تمام مال غنیمت میراں محمد فاروقی کو دے دیا۔

سلطان بہادر بے اولاد تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی حیاتی میں بھانجے کو ولی عہد بنانے کی وصیت کی تھی۔ سلطان بہادر نے بندر دیو کو فتح کر لیا (بندر دیو کا موجودہ نام ڈیو ہے۔ یہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر کاٹھیا واڑ کے قریب بندرگاہ ہے) مگر وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے فرنگیوں نے دھوکا دھڑی کی۔ اور اس کا جہاز غرق ہو گیا۔ اس کی وصیت کے مطابق میراں محمد خاں فاروقی گجرات کا حاکم ہوا۔

چنانچہ گجرات کی حکمرانی ملنے پر میراں محمد خاں، سلاطین فاروقیہ کا پہلا فرد تھا۔ جس کے نام کے ساتھ "شاہ" لفظ جڑ گیا۔ اسی کے عہد حکومت میں مغل شہنشاہ ہمایوں گجرات فتح کرنے کے بعد مالوہ لوٹتے وقت ۹۴۲ھ بمط ۱۵۳۵ء میں برہان پور کو تصرف میں لینے کے لئے آیا۔ سات روز قیام کیا اور اس علاقہ کو تاراج کر کے مانڈو لوٹ گیا۔

"۹۴۳ھ بمط ۱۵۳۶ء میں میراں محمد فاروقی نے دار فانی سے کوچ کیا۔ اور اس کا بھائی میراں مبارک شاہ فاروقی سریر بادشاہت ہوا۔ تقریباً ۳۱ برس صوبۂ خاندیس پر چھایا رہا۔ گجرات کو اپنے تصرف میں لینے کے لئے اس نے سلطان محمود شاہ کو چیلنج کر دیا۔ "آخر سلطان محمود شاہ (۹۵۹ھ بمط ۹۴۳ء) اور فاروقی بادشاہ کے درمیان خاندیس گجرات کی سرحد پر جنگ عظیم واقع ہوئی اور مبارک شاہ کو شکست ہوئی اور وہ قلعہ اسیر واپس آ گیا" (تاریخ اولیائے کرام برہان پور۔ ایڈوکیٹ بشیر محمد خان ص ۱۹۹)

۹۶۹ھ بمط ۱۵۶۲ء میں جب مالوہ پر مغل قابض ہوئے، تو وہاں کا حاکم باز بہادر بھاگ کر برہان پور آیا۔ ادھر مالوہ کا مغلیہ حاکم ملا پیر محمد خاں اس کے پیچھے ایک بڑی فوج لے کر خاندیس چلا آیا اور خوب شورش برپا کر دی۔ جس میں کئی سہاگنوں کے سہاگ اجڑے اور بہتوں سادات و

صالحین کام میں آگئے۔
مبارک خاں نے حاکم برار ''تفال خاں'' کی مدد سے مغلوں کو شکست دی اور باز بہادر کو دوبارہ مالوہ کا حکمراں بنایا۔ ۹۷۴ھ بمطابق ۱۵۶۶ء میں میراں مبارک شاہ فاروقی نے جہان فانی کو الوداع کہا۔ اس کے فرزند میراں محمد شاہ ثانی کی حکومت کا آغاز ہوا۔ اس نے جنگ و جدل سے دور صلح پسندی اور امن کے ساتھ دس برس حکومت کی۔ وہ بڑا متقی اور پرہیز گار تھا۔ جب ایک صوفی بزرگ شیخ میاں آبا ابراہیم شطاری (المتوفی ۹۹۹ھ) احمد آباد سے برہان پور آئے، تو اپنے وزیر اعظم، زین الدین کے ساتھ خود بھی موصوف کا مرید ہو گیا

محمد شاہ ثانی کے عہد میں احمد نگر کے بادشاہ مرتضیٰ شاہ نے قلعۂ اسیر پر دھاوا بول دیا۔ محمد شاہ ثانی نے صلح جوئی کا راستہ اختیار کیا۔ تین لاکھ تنگۂ نقرہ دے کر جنگ کا منھ کالا کیا (ایک تنگۂ نقرئی ایک تولہ چاندی کے وزن کے برابر ہوتا تھا)

۹۸۴ھ بمطابق ۱۵۷۶ء میں میراں محمد شاہ ثانی نے وفات پائی اور اس کا کم سن بیٹا حسن جانشین ہوا۔ اس نونہال میں اتنی لیاقت و اہلیت نہ تھی کہ ملک گیری میں ملتفت ہوتا ہے۔ اس لئے راجے علی خاں بن مبارک نے حسن خاں کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور خود مختار سلطنت ہوا۔ تقریباً ۲۱ ربرس شاندار حکومت کی۔

راجے علی خاں عرف عادل شاہ چہارم پاک طینت، نیک خصلت، بہادر، معاملہ فہم، بزرگان دین و علماء کا خدمت گزار، رعایا کا مددگار ہونے کے ساتھ تعمیرات کا شغل بھی رکھتا تھا۔

سولہویں صدی کے اواخر میں گجرات میں شورشیں برپا ہوئیں۔ احمد نگر کے بادشاہ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کی موت کے بعد بادشاہت کے متعلق بہت گڑبڑی ہوئی۔ اسی دوران اکبر نے آگرہ سے دکن کی طرف کوچ کیا۔ راجے علی خاں نے فرمانبرداری کا ثبوت دیا اور ایک زبردست لشکر لے کر شہزادہ مراد اور عبدالرحیم خانخاناں کا ساتھ دیا۔

شہزادہ مراد اور عبدالرحیم خانخاناں کی سرپرستی میں اس لشکر نے قلعۂ احمد نگر کا محاصرہ کیا۔ مگر گھراؤ کا حل نہ نکلا۔ آخرالامر دونوں جتھے اس شرط پر صلح کے لئے آمادہ ہوئے کہ برار پر اکبر کا اختیار ہوگا اور احمد نگر پر نظام شاہی قابض رہیں گے۔ لیکن یہ معاہدہ زیادہ عرصہ نہ چل سکا۔ دکنیوں نے ہلچل مچادی اور اس شورش کو دبانے کے لئے اکبر نے مراد اور خانخاناں کو بھیجا۔ بحکم اکبر راجے علی خاں بھی ۵۰۰۰ رسواروں کے جنگ میں شریک ہوا۔ بمقام نانديڑ سخت مقابلہ ہوا۔ اس آتش باری میں راجے علی خاں ہلاک جاں ہوا۔ اس کی

لاش برہان پور لا کر دفنائی گئی۔ راجے علی خاں نے اپنے دورِ حکومت میں باغات لگائے، مقبرہ اور مسجدیں تعمیر کیں، جو آج بھی اس کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ایک صوفی بزرگ صاحب شیخ عبدالرحیم کرنجی گجراتی (المتوفی ۱۰۰۵ء) (کرنجی: کرنج احمد آباد سے ۱۰ میل دوری پر واقع ہے) جب برہان پور تشریف لائے تو بادشاہ نے آپ کی سکونت کے لئے اتاولی ندی کے جنوب میں ایک سرائے اور حجرہ بنایا اور ایک مسجد تعمیر کی۔ اس خطہ کو آباد کر کے ''عادل پورہ'' نام رکھا۔ عادل پورہ کے قریب فتح پور میں حضرت سید محمد قادری (المتوفی ۹۹۹ھ) کے مزار پر گنبد اور قریب ایک مسجد بنوائی۔ یہاں ایک خانقاہ بھی راجے علی خاں نے بنوائی تھی، جو زمانے کی دستبرد سے ختم ہو چکی ہے۔ لیکن مقبرہ اور مسجد آج بھی قائم ہے۔ یہ مسجد ''چاند سورج'' کے نام سے مشہور ہے۔ محلہ خراطی بازار میں ایک مسجد اور حضرت شاہ منصور مجذوب (المتوفی ۹۳۸ھ) کے مزار پر گنبد، اسی کے دور کی تعمیرات میں سے ہیں۔ راجے علی شاہ فاروقی کی سب سے حسین یادگار ''شاہی جامع'' ہے۔ اس عالیشان مسجد کے (ایک سوتیس فٹ) بلند مینارے دور سے ہی وارد و صادر کا استقبال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

سخت کالے پتھر سے بنی ایک سو پچاس فٹ لمبی، پچپن فٹ چوڑی، مسجد راجے علی خاں نے ۹۹۷ھ بمطابق ۱۵۸۹ء میں تعمیر کرنا شروع کر دیا تقریباً چھ سالوں میں تکمیل کو پہنچی۔ اس مسجد کی ہر دیوار پانچ فٹ چوڑی ہے۔ چھت کی اونچائی پندرہ فٹ ہے۔ ڈیڑھ فٹ پیمائش کے ستر کھمبوں پر مشتمل محرابیں کچھ اس ڈھنگ سے تشکیل دی گئیں ہیں کہ آپس میں جڑ کر خود چھت ہو گئی ہیں۔ لمبائی میں پندرہ، چوڑائی میں پانچ دالانیں ہیں۔ (بحوالہ انوکھی مسجد (ہندی) ڈاکٹر شہناز شفیع سیوا سدن کالج میگزین ص ۱۰۱)

شہر کے بیچ واقع اس مسجد میں تیس، تیس فٹ کے دو حوض ہیں، جن میں پہلے کبھی سردی میں گرم اور گرمی میں ٹھنڈے پانی کا آنا، پیش امام کی آواز کا مسجد میں ہر طرف پہنچنا اور سخت پتھر پر بنی کاری گری کو دیکھنے سننے والا کوئی بھی شخص متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس مسجد میں سنسکرت، عربی اور فارسی کے کتبے فن خطاطی، سنگ تراشی کا بیش قیمت نمونہ ہیں اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ بلکہ اس وقت کی زبان، نثری آہنگ اور قومی یک جہتی کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔

ان کتبوں میں اللہ کی وحدانیت، مسجد تعمیر کرنے کی اہمیت، عبادت سے رغبت، حضور اکرمؐ پر درود و سلام، راجے علی خاں کے خاندان کے بارے میں معلومات، وقت تعمیر وغیرہ تفصیلات درج ہیں۔

مسجد کے جنوبی مینار کے نچلے حصے میں فارسی کتبہ کندہ ہے۔ اسے اکبر نے قلعہ اسیر کی فتح

یابی پر لگوایا تھا۔ جس میں لکھا ہے کہ وہ اس فتح کے بعد ۵۰ دن برہان پور میں رہا۔ اور پھر بہادر شاہ کو اپنے ساتھ لاہور لے گیا۔ اس کے مطابق اکبر برہان پور سے ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۲ء میں لاہور کیلئے روانہ ہوا۔

مذکورہ عمارت کے ساتھ اور بھی تعمیرات اس عہد میں تعمیر ہوئیں۔ جن کا احاطہ اس مختصر مضمون میں کرنا بڑا مشکل ہے۔ راجے علی عادل شاہ فاروقی کے انتقال کے بعد اس کا فرزند بہادر خاں ۱۰۰۵ھ بمطابق ۱۵۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ جس نے بمشکل تین چار سال حکومت کی۔ بہادر خاں کو رقص و سرور سے بے حد لگاؤ تھا۔ شراب اور افیون کا بھی عادی تھا اس نے اپنے نام سے ایک شہر آباد کیا۔ اور اس کا نام بہادر پور رکھا۔ ساتھ ہی شہر برہان پور سے دارالسلطنت بہادر پور کر دیا۔ ناچ ورنگ کی محفل اور نشہ خوری نے اسے غیر ذمے دار بنا دیا ان ہی وجوہات کی بنا پر حکومت فاروقیہ زوال پذیر ہوئی۔

شہزادہ مراد کے انتقال کے بعد اکبر نے دانیال کو دکن کا صوبے دار بنایا۔ دانیال کی دکن آمد پر بہادر خاں ایک غلطی کر بیٹھا.... دانیال سے ملاقات نہیں کی۔ جب جلال الدین محمد اکبر دکن کو فتح کرنے کے ارادے سے مانڈو آکر مقیم ہوا، اس وقت بھی بہادر خاں گستاخی کر بیٹھا اور اس پر حماقت یہ کی کہ ضروریات کا سامان، مال و دولت، ملازمین و رعایا بھی کچھ لے کر اسیر گڑھ پہنچا اور قلعہ داری میں مصروف ہو گیا۔ شہنشاہ اکبر کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے دکن کا ارادہ ترک کر کے دانیال اور خانِ خاناں کو احمد نگر روانہ کیا اور خود اسّی ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا.... محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ آخر کار اکبر نے فریب سے کام لیا اور سرداروں کو رشوت دے کر گیارہ ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد جنوری ۱۰۰۹ھ/ ۱۶۰۱ء میں فتح کر لیا۔
(تاریخ اولیائے اکرام برہان پور ایڈوکیٹ بشیر محمد خان ص ۳۸۶/ از تاریخ ہند)

اس طرح سلاطین فاروقیہ کا دو سو سالہ شیرازہ منتشر ہو گیا۔ بہادر خاں کو اکبر اپنے ساتھ لاہور لے گیا بہادر خاں جہانگیر کے عہد حکومت تک زندہ رہا۔ ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۴ء کو آگرہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

عہد مغلیہ

قلعہ اسیر کو تسخیر کرنے کے بعد اکبر نے شہزادہ دانیال کو صوبے دار اور عبدالرحیم خانخاناں کو سپہ سالار مقرر کیا۔ ایک ماہ بیس دن یہاں رہ کر لاہور روانہ ہوا۔ اکبر نے اپنی اس فتح کے آثار کئی مقامات پر چھوڑے ہیں۔

''اپنی زبردست کامیابی پر اسیر گڑھ کی ٹکسال میں سونے کی مہرین ڈھلوائیں جن میں شکار پر جھپٹتے ہوئے باز پرندے کا نشان تھا۔ یہ باز پرندہ اکبر اعظم کا اشارہ تھا۔ اور اس پر شکار اسیر گڑھ کا۔ کئی جگہ پر کتبے بھی کندہ کرائے گئے تھے۔ جو آج تک برہان پور اور اسیر گڑھ کی مسجد، فاروقی مقبرہ اور اسیر گڑھ کی ایک چٹان پر کندہ کیے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں''

(ذکر برہان پور اختر پرویز روزنامہ ندیم بھوپال ص ۶/ از برہان پور پرچے)

مغلیہ دور حکومت میں یہاں پہلا عامل دانیال مقرر ہوا، اس نے شہر کے مشرقی سمت تاپتی ندی کے دوسرے کنارے پر ایک خوبصورت عمارت ''آہو خانہ'' تعمیر کی (اس آہو خانہ میں ممتاز محل کی روح پرواز ہوئی اور عارضی مدفن بنا۔ جو فن صناعی کا بہترین نمونہ ہے اور آج بھی قائم ہے) شہزادہ دانیال شراب کا عادی اور شکار کا شوقین تھا۔

''شکار کے لئے اس نے ایک خاص بندوق بنوائی تھی، جس پر ذیل کا شعر کندہ تھا۔

از شوقِ شکار تو شودِ جاں تر و تازہ

ہر ہر کہ خورد تیر یکہ و جنازہ

اور یہی بندوق اس کی موت کا باعث بن گئی۔ محل میں شراب کی پابندی پر بندوق کی نالی میں شراب لائی گئی (سنہ ۱۰۱۳ھ/ سنہ ۱۶۰۵ء) یہ زہر آلود کافر جاں لے کر اس کے منہ سے چھوٹی۔ ڈاکٹر شیخ فرید کے مطابق شاہ درہ روڈ پر دلاور خانی کے قریب دانیال کا مقبرہ واقع ہے۔

دانیال کی موت کے کچھ عرصہ بعد اکبر بھی انتقال کر گیا اور جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اسی اثناء میں شہزادہ خسرو اپنے والد جہانگیر سے بغاوت کر بیٹھا، اس بغاوت کو منہدم کرنے کے لئے اس نے راؤ رتن اور مہابت

خاں کو حکم دیا۔ جنگ میں خسرو ناکام ہوا۔ اسے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ یہیں ۱۰۳۱ھ میں اس کی موت واقع ہوئی۔ تقریباً چھ ماہ بعد برہان پور سے اس کی لاش الہ آباد لے جا کر "خسرو باغ" میں دفن کی گئی، اس کے علاوہ جہانگیر کے دو بیٹے "پرویز اور شہریار" نے بھی یہیں انتقال فرمایا۔

عہد مغلیہ میں یہ علاقہ مختلف شہزادوں اور کئی ایسی عظیم شخصیتوں کی نگرانی میں رہا، جن کی قدر و منزلت شہزادوں جیسی تھی۔

رائسی چوہان کا بیٹا راؤ رتن ایک عرصہ تک یہاں کا حاکم رہا۔ شہر کے جنوب مغربی حصہ میں ایک محل بنوایا تھا۔ جس کے باقیات شکستہ ہو گئے ہیں۔ یہ کھنڈر "محل راؤ رتن" سے ہی مشہور ہے۔

عبدالرحیم خان خاناں ایک اچھا سپہ سالار ہونے کے ساتھ بہترین شاعر بھی تھے۔ تقریباً ۳۰ر سال دکن میں گذارے لیکن بیشتر وقت برہان پور میں گذرا۔

۱۶۰۸ء میں خانِ خاناں نے ایک شاندار حمام تعمیر کروایا۔ جس کا کتبہ ناگپور کے میوزیم میں رکھا ہوا ہے۔ یہ حمام انڈا بازار محلّہ میں واقع ہے۔ اسی میں فاروقیہ دور کی عالیشان مسجد "تانا گجری" کے قریب خان خاناں نے ۱۶۱۸ء میں ایک سرائے بنوائی۔ جس میں ٹامس رو (انگلینڈ کے راجہ جیمس کا سفیر) مقیم ہوا تھا۔ یہ "اکبری سرائے" کے نام سے معروف ہے۔ دوسری سرائے (اصغری سرائے) محلّہ کارنج بازار میں واقع ہے، جس میں بھارت ٹاکیز چل رہا ہے۔

خانخاناں کا ایک عظیم کارنامہ پانی کے چشمے "خیر جاری" ہے۔ یہ شہر کے مغرب لال باغ ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلہ پر قائم ہے۔ جسے "خونی بھنڈارہ" کہا جاتا ہے۔ ست پڑا کی پہاڑیوں سے متصل یہ نہر مٹی کے پائپوں کے ذریعے شہر کے مختلف علاقوں میں "آب رسانی" کا کام انجام دیتی تھی۔

خان خاناں کا بڑا بیٹا مرزا ایرج بڑا بہادر تھا۔ اس نے کئی مہمات میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور "شاہ نواز" کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ بلا کا شراب نوش تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۲۳ر برس کی مختصر حیات میں انتقال کر گیا۔ جہانگیر نے اس کی قبر پر بہترین مقبرہ تعمیر کیا۔ یہ شہر کے شمال مشرق میں اتاولی ندی کے کنارے آج بھی قابل دید حالت میں موجود ہے اور "پہلوان شاہ" کے نام سے مشہور ہے (اسے کالا تاج محل بھی کہا جاتا ہے) اس مقبرے کے نزدیک پاندان نما عمارت بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں شاہی افراد مدفون ہیں۔

۱۶۲۹ء میں شاہ جہاں نے اپنی فتح کا جشن بہاراں یہیں منایا اور اس شہر کو "دارالسرور" خطاب دیا۔

تعمیرات کے سلسلے میں پوری دنیا میں پہچان بنانے والے بادشاہ شاہ جہاں نے اپنے دور حکومت میں یہاں ایک عظیم الشان حمام بنایا۔ جس کی خوبصورتی دیکھتے ہی بنتی ہے۔ یہ حمام شاہی قلعہ کے اندرون جنوبی سمت میں دریائے تاپتی کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں "آہو خانہ" ہے۔ جس میں شاہ جہاں نے ایک باغ لگا کر اپنی بیٹی "عالم آرا" کے نام سے منسوب کر دیا۔ علاوہ ازیں "محل گل آرا" جیسی حسین تعمیرات شاہ جہاں کی بہترین یادگار ہیں۔

سنہ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۱ء میں شاہ جہاں، خان جہاں لودھی کی سرکشی کو کچلنے کے لئے برہان پور آیا۔ ممتاز محل بھی اس کے ساتھ تھیں۔ اپنے مقصد میں کامیابی کے بعد یہاں مقیم تھا۔

۱۷/ذی القعدہ بروز بدھ ممتاز محل کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا اسی وقت انتقال ہو گیا اور ممتاز محل نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

بروز جمعرات اس کی لاش آہو خانہ کے پائیں باغ میں (عالم آرا) میں ایک حوض کو پاٹ کر تہہ خانے میں عارضی طور پر سپرد خاک کی گئی۔

"مجملاً نعش آں عصمت قباب در باغ زین آباد آں روئے آب
تاپتی امانت بخاک سپردہ آخر روز پنجشنبہ آں حضرت بر مرقد
منور آں زینت افزائے صدر جنت تشریف بروند"

(ممتاز محل کا عارضی مدفن ڈاکٹر شیخ فرید ص ۳۴ از شاہجہاں نامہ ص ۴۴۸)

"آں گنجینۂ عفت و خزینۂ عصمت را در عمارت باغ زین آباد
برہان پور کہ آں روئے آب تاپتی واقع شدہ میان حوض کہ
صدر در صدا ست اساس پزیرفتہ، برسم امانت مدفون گردانید
ند"

چھ ماہ بعد ۱۷/جمادی الاول ۱۰۴۱ھ بروز جمعہ شہزادہ شجاع، وزیر خاں (جن کا اصل نام محمد طاہر مشہدی تھا۔ یہ وہی طاہر مشہدی ہے جنہیں اورنگ زیب نے دہلی (مارچ ۱۶۵۸ء) جاتے وقت برہان پور کا حاکم بنایا تھا) اور ستی النساء کے ہمراہ لاش آگرہ پہنچائی گئی۔ دریائے جمنا کے کنارے راجہ جے سنگھ (مان سنگھ کے پوتے) کے محل کے باغ میں دوبارہ امانتاً دفن کی گئی۔ پھر ۱۵/جمادی الثانی ۱۰۴۲ھ میں اسے اس مقام پر دفن کیا گیا۔ جہاں آج تاج محل پوری

شاہ شجاع کی حرم ''بلقیس جہاں'' کا انتقال بھی برہان پور میں ہوا تھا۔ اس کا خربوزہ نما مقبرہ حضرت چپ شاہ ولی کے آستانے کے مقابل آج بھی قابل دید حالت میں موجود ہے۔

سرزمین برہان پور پر سینکڑوں صوفی حضرات قیام پذیر ہوئے۔ انہوں نے دین و دنیا اور زبان و ادب کی خدمت کی، جن سے بادشاہ، شہزادے، امراء، رؤسا اور عوام نے فیض اٹھایا۔

اورنگ زیب عالمگیر عہد شاہجہاں میں دکن کا صوبے دار تھا۔ اس نے یہاں لڑکپن و جوانی کے دن گذارے۔ وہ صوفی بزرگ حضرت برہان الدین راز الہٰ کا بڑا معتقد تھا۔ اکثر آپ کی محفلوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ لیکن فقراء کی خانقاہ میں بادشاہوں کا آنا منع تھا۔ لہٰذا وہ بھیس بدل کر حاضر ہوتا۔ مگر آپ پہچان جاتے اور فرماتے

''اگر آپ کو یہ فقیر خانہ اتنا پسند آ گیا ہے کہ آپ یہاں آنے سے باز نہیں رہ سکتے تو میں اپنے لئے کوئی دوسرا مقام تجویز کر لیتا ہوں'' (برہان پور کے سندھی اولیا۔ محمد مطیع اللہ راشد صفحہ ۲۶۹)

کچھ عرصہ بعد جب شاہ جہاں بیمار ہوا اور شہزادوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑے شروع ہوئے تو اورنگ زیب حضرت موصوف کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا۔ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے

''از فاتحہ را فقیراں چہ حاصل ، شمار بادشاہ اید، فاتحہ بہ قصد عدالت و رعیت پروری بخوانید ما ہم برفاقت شما دست بدعا فاتحہ برمی داریم''

(تاریخ خانوادہ ڈاکٹر سید شرف الدین پیرزادہ ص ۴۰۔ تاریخ اولیائے کرام برہان پور بشیر محمد خاں ص ۴۲۰)

اس کے بعد شہزادہ اورنگ زیب ایک ماہ برہان پور میں رہا۔ مارچ ۱۶۵۸ء میں شہر کی دیکھ ریکھ محمد طاہر مشہدی (معروف وزیر خاں) کے سپرد کر کے دہلی روانہ ہو گیا۔

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ایڈوکیٹ بشیر محمد خاں ص ۴۲ اور مدوجزر ڈاکٹر زبیر احمد انصاری ص ۶۳)

۱۶۶۴ء میں شائستہ خاں (وزیر اعظم آصف خاں کا فرزند اور شہنشاہ اورنگ زیب کا ماموں تھا) یہاں کا صوبے دار مقرر ہوا اور وہ شیواجی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ مراٹھوں کو شکست دی.......وہ بھاگ کر پہاڑی میں چھپ گئے۔ شائستہ خاں پونہ پہنچا اور شیواجی کے پرانے مکان میں قیام فرما تھا۔ آدھی رات گئے شیواجی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ شائستہ خاں گھبراہٹ میں آگے بڑھا، اس کی انگلیاں کٹ گئیں اور اس

کا لڑکا کامگار کام میں آ گیا۔ اس واقعہ کے بعد وہ برہان پور آ گیا اور حضرت برہان الدین رازالہٰ کا مرید ہو گیا ...کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جنوبی ہند میں سورش برپا ہوئی، جس کو کچلنے کے لئے اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ کو حکم دیا۔ (جے سنگھ راجپوت راجہ مان سنگھ کا پوتا اور آمیر کا راجہ تھا) دہلی واپسی کے وقت اس کا ١٦٦٦ء میں برہان پور میں انتقال ہو گیا۔ اورنگ زیب نے ایک شاندار عمارت تعمیر کروائی ۔ یہ عمارت راجہ جے سنگھ کی چھتری کے نام سے مشہور ہے۔ آج بھی شاہ پور روڈ، تاپتی موناسنگم پر واقع ہے۔

شہر برہان پور کی اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔ یہاں کئی عظیم شخصیتوں کا نزول ہوا.... بہت سی شخصیتیں یہاں قیام پذیر ہوئیں .....اور بہتوں شخصیات نے یہاں انتقال فرمایا.... محبت و امن کے گیت گائے۔ علم وسیاست کی شمعیں روشن کیں اور مشترکہ تہذیب وتمدن کا حسین گلدستہ بنادیا۔ یہ تمام واقعات، مشاہدات، سانحات ایک دلچسپ تاریخی داستان کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کے طبیب خاص حکیم مصری نے یہاں انتقال فرمایا۔ حضرت نعمان شیرازیؒ ۸۸۱ھ میں یہیں واصل بحق ہوئے ۔ حضرت شاہ نظام الدین بھکاریؒ، حضرت شاہ منصور مجذوبؒ اور اردو ادب کے باغ کو سجانے والے حضرت شاہ بہاؤالدین باجنؒ یہیں محوخواب ہیں۔ حضرت شاہ عیسیٰ جنداللہؒ، حضرت محمد بن فضل اللہ نائب رسول کے علاوہ سیکڑوں صوفیائے کرام نے برہان پور کو اپنی آخری قیام گاہ بنایا۔ گرونانک جی نے گرودوارہ راج گھاٹ میں قیام فرمایا، سکھوں کے دسویں گرو شری گوند سنگھ جی نے گرودوارہ بڑی سنگت میں قیام فرمایا۔ پانی پت کی تیسری جنگ کے دوران باجی راؤ پیشوا پونہ سے یہاں آکر ٹھہرا۔ بوہروں کے ایک بڑے بزرگ سیدی حکیم الدین صاحب (متوفی ١٧٣٠ء) کا مزار بھی یہیں ہے۔ دُور دراز سے بوہرہ حضرات زیارت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ شری سنت سوامی نارائن جی ١٨٨٤ء میں یہاں تشریف لائے ۔ مالوہ کا بادشاہ شہاب الدین خلجی ١٥١٠ء میں برہان پور آیا۔ ١٦٠٠ء میں سندھ کے سابق بادشاہ مرزا جانی کا یہاں انتقال ہوا۔

۱۶۳۰ء کو شیواجی کا بہادر پور پر حملہ ہوا۔ ۱۶۷۲ء میں شہزادہ معظم برہان پور آیا۔ ۱۶۸۰ء میں سمبھاجی نے برہان پور پر حملہ کیا اور بہادر پور میں خوب لوٹ مار مچایا۔ شاہ عالم بہادر اول کے زمانے میں راجہ رام کی بیوی تارابائی نے راویر اور برہان پور پر حملہ کیا اور ۱۷۱۰ء میں برہان پور پر قابض ہوئی۔ ۱۷۲۰ء میں نظام الملک آصف جاہ اول نے قلعۂ اسیر پر قبضہ کر لیا۔ (آصف اول کے نانا سعد اللہ خان شاہجہاں کے وزیر اعظم تھے اور دادا نواب عابد خان عالمگیر کے ساتھ گولکنڈہ کے محاصرے میں پنج ہزاری منصب سے سرفراز تھے)

عہد نظام آصفی و دیگر

"یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ اگر برہان پور نہ ہوتا تو حیدر آباد کی ریاست کبھی عالم وجود میں نہ آتی کیونکہ حیدر کی نظام ریاست کے بانی نواب میر قمر الدین نظام الملک آصف جاہ اول نے مغل سلطنت کے کمزور ہو جانے پر اپنی خود مختاری کا اعلان برہان پور ہی میں ۱۷۲۰ء میں کیا تھا۔

(ذکر برہان پور۔ اختر پرویز روزنامہ ندیم بھوپال ص ۶)

۱۷۳۰-۳۱ء میں نظام الملک نے یہاں "شہر پناہ" بنا کر اس شہر کو منظم کیا۔ جس میں ۸/دروزے اور تقریباً ۱۲/ کھڑکیاں ہیں۔ نظام الملک نے مبارز خاں کو زیر کر کے دکن کے صوبے اپنے اقتدار میں لے لئے۔ ۱۷۳۸ء مغل بادشاہ محمد شاہ نے "آصف جاہ" کے خطاب اور قیمتی انعامات سے نوازا۔ ۱۷۴۹ء میں نظام الملک آصف جاہ اول نے یہاں جان عزیز جاں آفریں کے حوالے کر دیا۔ یہاں جس جگہ اسے غسل دیا گیا۔ وہاں ایک چبوترہ تعمیر کر کے اطراف میں باغ لگا دیا گیا۔ یہ مقام زین آباد کے قریب "نظام باغ" کے نام سے مشہور ہے۔

۱۷۵۲ء میں نواب آصف جاہ کا بڑا بیٹا نواب غازی الدین خاں صوبۂ دکن کا حاکم ہوا۔ عنان حکومت سنبھالتے ہوئے اس نے خاندیس ہولکر کو دے دیا اور اسی سال انتقال بھی کر گیا۔ آپسی رنجشوں اور سازشوں نے آصفیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ شہر ۱۷۶۰ء میں باجی راؤ پیشوا کی حکمرانی میں آیا اور مرہٹہ مسند آرائی شروع ہوئی۔ ۱۸۰۳ء انگریزوں نے اپنا رخ اس طرف کیا۔ تو سندھیا نے برہان پور میں ایک بڑی فوج اکٹھا کیا۔ اس زور آزمائی میں مراٹھوں کو شکست ہوئی اور انگریز قابض ہو گئے۔ کرنل اسٹیونس نے سندھیا سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کے مطابق قلعہ اسیر پر سندھیا کا قبضہ ہوگا، مگر ٹیکس انگریز وصول کریں گے۔ اس طرح بادشاہ انگریزوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔ جب ۱۸۶۰ء میں ایک سمجھوتے کے ذریعہ انگریزوں کے قبضہ میں آیا تو ظلم کی انتہا کر دی..... اور یہاں کے ادیب، شعراء، مجاہدین آزادی اور عوام آزادی کی تحریک میں شامل ہو گئے۔

ان تمام حکومتوں کے نشیب وفراز اور عروج وزوال کے باوجود ادب ہر دور میں پھلتا پھولتا رہا۔ دور قدیم سے ہی یہاں ایسی شہادتیں مل جاتیں ہیں، جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں علمی، ادبی، شعری، تہذیبی خوبیوں کا ہمیشہ بول بالا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں آج بھی مختلف زبانوں کے علوم وفنون اور جملہ اصناف سخن کو شاداب ہونے کے بہتر مواقع فراہم ہیں۔

باب دوم

برھان پور کی شعری و ادبی تاریخ کا جائزہ

باب دوم

برھان پور کی شعری و ادبی تاریخ کا جائزہ
(فاروقی عہد)

برہان پور زمانۂ قدیم سے علم وفن کا مسکن رہا ہے۔ یہاں پر ہر زمانے میں قابل قدر علمی شخصیتیں اپنے علم وفن کا چراغ روشن کیے ہوئے نظر آتی ہیں۔ اس شہر نے جہاں خود نامور علماء، فضلاء، ادباء اور شعراء کو جنم دیا، وہیں دیگر مقامات کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی آمد اور یہاں مستقل سکونت، اس کی شادابی کا سبب بنی جن کے تذکروں سے تاریخ کے اوراق روشن ہیں۔

شاہی پایۂ تخت ہونے کے سبب یہاں مختلف مذاہب، نظریات، تہذیب وثقافت اور علم وفن کے دانشوروں کا ورود وقیام ہوتا رہا۔ چنانچہ ان کے باہمی امتزاج سے جو تہذیب پروان چڑھی، اس کی ایک پہچان ہے...!

فاروقی عہد:۔ (۸۰۱ھ ۱۳۹۹ء تا ۱۰۰۹ھ ۱۶۰۱ء) فاروقی عہد کے قبل اور اس کے بعد مغلیہ، آصفیہ وغیرہ عہد سے یہاں ایسی شہادتیں مل جاتیں ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں علمی وادبی اور شعری ونثری خوبیوں کا ہمیشہ دور دورا رہا ہے۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں قدیم زمانے میں عربی، فارسی، سنسکرت زبان کا بول بالا رہا، جس کے سبب یہاں ہر ادب میں قابل قدر علمی کارنامے انجام دیئے گئے۔ جس کے ثبوت میں جامع مسجد اور دیگر مساجد اور مقبروں کے کتبات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جن میں عربی، فارسی، سنسکرت زبان کا خوب استعمال ہوا ہے۔ ان زبانوں کی بام عروج تک رسائی کے لئے سر زمین برہان پور سے جو کوششیں کی گئیں، وہ ایک تاریخی صداقت ہے۔

برہان پور کے شعر و ادب کی تاریخ کا سلسلہ بڑا قدیم ہے۔ فارقی عہد سے قبل جب یہ شہر دارالخلافہ نہیں بنا تھا اور ''بسانا'' کے نام سے موسوم تھا۔ اس دور کو پروفیسر حامد حسن قادری نے ''ہنگامۂ ازل'' کے نام سے تعبیر کیا ہے ''شیخ سعدی دکنی'' نے اس کے قرب وجوار میں فارسی اور ہندی کے فقروں کو جوڑ کر اردو شاعری کی ابتدا کر دی تھی۔

اردو زبان و ادب کے اکثر تذکرہ نویسوں نے سعدی دکنی کے حالات لکھے ہیں لیکن افسوس کہ سن وفات کسی تذکرہ میں نہیں ملتا۔ مشہور تذکرہ نگار لکشمی نارائن شفیق اورنگ آبادی (مؤلف چمنستان الشعراء) نے سعدی کی پیدائش اور وطنیت برہان پور لکھی ہے۔ نکات الشعراء، چمنستان شعراء، مخزن نکات اور تذکرہ میر حسن وغیرہ میں دو تین شعر ملتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

همنا تمن کو دل دیا تم دل لیا ہور دکھ دیا
ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی کیا ریت ہے
دو نین کے کھپّر کروں رو رو کے انجھواں دل بھروں
پیش سگ کو بیت دھروں پیاسا نہ جائے میت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

زبان فارسی آمیز ہندی ہے۔ برہان پور میں سعدی کا مقام قدامت زبان کے لحاظ سے وہی ہے جو دہلی میں امیر خسرو کا تھا۔

اس سرزمین سے اردو زبان و ادب کے بڑے اہم رشتے نظر آتے ہیں۔ جن سے کئی قابل ذکر شخصیات جڑی ہوئی ہیں اور جن کے تذکرے کے بغیر یہاں کی ادبی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی۔ خصوصاً اردو شعر و ادب کے سلسلے میں یہاں فاروقی دور ہی سے ایسے لائقِ ذکر نام سامنے آتے ہیں، جنہوں نے اپنی ذہانت سے آنے والی نسلوں کی خوب تربیت کی۔ ان ناموں میں سب سے پہلے شیخ بہاؤ الدین باجن کا نام آتا ہے۔ شاہ باجن سے برہان پور میں شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ انہیں اردو ادب کے اولین شعراء میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ایک عرصہ تک ولی دکنی (متوفی ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء) کو اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا رہا ..... لیکن جدید تحقیق کے مطابق محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا جا رہا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ ۱۵۸۰ء میں تخت نشین ہوا تھا جبکہ شاہ باجن کی وفات ۱۵۰۶ء (میں ۱۲۲ر سال عمر) کو ہو چکی تھی۔

ولی دکنی، سعد اللہ گلشن (متوفی ۱۱۴۱ھ) کا مرید اور شاگرد تھا، جن کی پیدائش ۱۰۷۵ھ میں برہان پور میں ہوئی۔ بعد میں آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال فرمایا۔ ولی اپنے استاد سے ملاقات کے لئے برہان پور آیا تھا۔ کچھ عرصہ یہاں مقیم رہا اور سعد اللہ گلشن کے مشورے سے دہلی روانہ ہوا اور وہاں

اردوشاعری کی داغ بیل ڈالی۔ برہان پور میں دیوان ولی کا ایک نایاب نسخہ موجود ہے جو اختر پرویز کے پاس محفوظ ہے۔(مدھیہ پردیش میں اردو زبان وادب کے پچاس سال ڈاکٹر محمد شفیع سیواسدن میگزین ص ۲۳ "ہندی مضمون")

سعد اللہ گلشن عالم وفاضل، صوفی باصفا ہونے کے ساتھ فن شعروادب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔آپ نے جملہ اصناف نظم میں شاعری کی۔آپ کے فارسی اردو کلام کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔

> ''سعد اللہ گلشن کے ایک شاگرد ولی دکنی سے اردو شاعری کی اشاعت دکن میں ہوئی۔اور دوسرے شاگرد خواجہ ناصر عندلیب سے دہلی میں۔خواجہ ناصر سے اردو شاعری کا جو سلسلہ دہلی میں شروع ہو کر پنجاب تک پہنچا اس میں خواجہ میر درد ، شاہ نصیر، استاد ذوق، حکیم مومن خاں مومن ، بہادر شاہ ظفر، مولوی محمد حسین آزاد، حضرت داغ، نوح ناروی اور علامہ اقبال جیسے نامور شعراء پیدا ہوئے۔یہ تمام شعراء اردو شاعری کی اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں جو سلسلہ حضرت شاہ سعد اللہ گلشن سے شروع ہوا تھا''

(برہانپور مولوی معین الدین ندوی ص ۱۴-۱۵/ از مضمون ڈاکٹر تنویر احمد علوی نوائے ادب ماہ جولائی ۱۹۷۴ء ص ۱۲)

آصفیہ اور مغلیہ دور کے پہلے ہی یہاں کی ادبی سرزمین زرخیز ہو چکی تھی۔جس میں مختلف اصناف کو پھلنے پھولنے اور پننے کے بہتر مواقع ملتے رہے۔ان مواقع سے اس خطہ کے تمام تر ذہین قلمکاروں نے خوب فائدے اٹھائے اور اپنی فن کاری کے وہ بے مثل نمونے چھوڑے کہ آج بھی ان کی چمک سے اہل ادب واقف ہیں۔

فاروقی دور کے شعراء میں نظام الدین، جلال الدین، شاہ منصور مجذوب، شیخ علی متقی، ابراہیم عمر سندھی، ابو محمد عارفی، سلیمان سیفی اور شاہ عیسیٰ جند اللہ وغیرہ صوفی شعراء شامل ہیں۔

جن حضرات نے اردو زبان وادب کا غائر مطالعہ کیا ہے اور جن کی عمیق نظری نے قدیم علمی وادبی روایات کا جائزہ لیا ہے، وہ یقیناً اس علاقے کے شاندار ادبی سرمایہ سے بخوبی واقف ہیں کہ اس علاقے اور

اس کے قرب وجوار سے اردو زبان وادب کی اہم کڑیاں جڑی ہوئیں ہیں۔ جس سے اردو زبان وادب کو موجودہ مقام تک پہنچنے کا موقع ملا۔

یہ خطہ مغلوں کے عہد میں ''دکن کی دلی'' بن گیا اور صوفیائے کرام کی آمد نے اسے ''مدینۃ الاولیاء'' بنادیا۔ مغلوں کے عہد میں عبدالرحیم خان خاناں کا قیام یہاں تقریباً ۳۰ رسال رہا۔ خان خاناں کوزبان وادب سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ دنیا کی اکثر زبانوں کو جانتا تھا۔ وہ عربی، فارسی، ترکی ہندی اور سنسکرت کا زبردست عالم تھا۔ اس کے علاوہ پوربی اور فرانسیسی زبان میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس لئے اکبر کے عہد میں بیرونی مراسلت کا ذریعہ خان خاناں ہی تھا۔

عہد مغلیہ مغلیہ دورِ حکومت میں (۱۰۰۹ھ/ ۱۶۰۱ء تا ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۰ء) میں برہان پور کا تعلق دہلی سے ہوگیا۔ چنانچہ جو تبدیلیاں شمالی ہند کی زبان اور ادب میں ہوتی تھیں، ان کا رواج برہان پور میں بھی ہوتا تھا۔ جو اس دور کے شعراء کے کلام میں دیکھا جا سکتا ہے۔

خان خاناں کے قیامِ برہان پور میں یہاں کی ادبی و تاریخی روایات میں زبردست اضافہ ہوا۔ وہ خود فارسی کا بہترین شاعر اور انشاء پرداز تھا۔ اس نے علم نجوم میں ایک ایسی مثنوی لکھی تھی، جس کے ہر شعر کا ایک مصرعہ فارسی اور دوسرا سنسکرت کا تھا۔ اس دور میں ایران، افغانستان اور ہندوستان کے اکثر مقامات کے مشہور علماء وشعراء یہاں آکر مقیم ہوگئے تھے۔

مغل دور کی زبان فارسی ہونے کے سبب جو شعراء دربار سے وابستہ رہے، انھوں نے فارسی زبان کو شعر وسخن کا ذریعہ بنایا اور شاہی اعزاز وکرام پایا۔ دیگر شعراء جو دربار سے وابستہ نہ رہے، انھوں نے مقامی رنگ میں رچ بس کر شاعری کی۔ مغل دور کے شاعروں میں مرزا جانیؔ، انیسیؔ، کفریؔ، نوعیؔ، نواعیؔ، جسمیؔ، قادریؔ، جعفرؔ، ملا حیاتیؔ، ہاشم کشمیؔ، صابرؔ، رازیؔ، معصومؔ، دوست محمدؔ، لالہ خوشحال چند فرحتؔ اور سعد اللہ گلشنؔ وغیرہم شامل ہیں۔

نظام آصفی حکومت (۱۷۲۰ء تا ۱۷۶۰ء) کے آتے آتے یہاں کے شعری حلقہ میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ آصف جاہ اوّل خان خاناں کی طرح خود ایک بڑا شاعر اور شاعروں کا سرپرست تھا۔ اس دور کے شعراء میں لالہ خوشحال چند فرحتؔ، گلشنؔ، انسانؔ، نکہتؔ، امیدؔ، زائرؔ، اعظمؔ، عاصمؔ، ابدالؔ، محرمؔ، عزلتؔ، زائیؔ، افسقؔ، میر کاملؔ شامل ہیں۔ ہاشم علیؔ، یتیم احمدؔ، امامیؔ، کاملؔ اور متینؔ جیسے مشہور مرثیہ نگار اسی دور میں

گذرے ہیں۔ان کے بعد نور محمد عاصیؔ، تسلیمؔ، موزوںؔ، قائمؔ، میر یحییٰ عاشقؔ، درسیؔ، ایجادؔ، نجمؔ، مبارکؔ، پروانہؔ، امدادؔ، تابعؔ، وفاؔ، ممتازؔ، متینؔ، سید شاہ میرؔ، لالہ رام پرشاد شادؔ، دولت رائے دبیرؔ، تقیؔ، ضیاؔ، رونقؔ، قاضی غلام محمد اور ان کے فرزند خلیل الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن وغیرہم، حضرات نے برہان پور کے شعری وادبی حلقوں میں خود کو روشناس کیا۔ اور ادبی خدمات سے اس کی فضاؤں کو گرمایا بھی۔

۱۹ رویں صدی عیسوی میں یہاں کے شعروادب پر اور زیادہ دہلوی رنگ چڑھ گیا۔ یہاں کے ایک استاد شاعر درگاہی خاں حاذقؔ نے میر خیرات علی مشتاقؔ کی شاگردی قبول کی۔ جو میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے۔ اس طرح میر تقی میرؔ کا سلسلہ برہان پور پہنچا۔ درگاہی خاں حاذق کا سلسلہ قادر خاں واثقؔ اور مولوی اخترؔ سے ہوتا ہوا مولوی عثمان خاں راغبؔ کو پہنچا اور انجمن راغب کا انعقاد ہوا۔

۱۹ رویں صدی کے اواخر اور ۲۰ رویں صدی کے کی شروعات سے، یہاں کی شاعری پر دبستان لکھنؤ کا رنگ غالب آنے لگا۔ ناسخؔ کے شاگرد قلقؔ اور ان کے شاگرد ہنرؔ غازی پوری کی شاگردی علیم اللہ خیالیؔ نے قبول کی۔ اس طرح انجمن خیالی وجود میں آئی۔ یہاں کے ایک اور استاد شاعر فخر الدین حاذقؔ نے بھی سلسلۂ ناسخؔ کی شاگردی قبول کی اور انجمن حاذقؔ کی شروعات ہوئی۔

اس طرح دبستان دلی اور لکھنؤ کا امتزاج یہاں کے شعروادب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اکثر شعراء نے دونوں رنگ کی آمیزش سے شعروادب کی خدمت کی۔ بہت سے شعراء نے دلی کے عنوان کو سرمایۂ سخن بنایا وہیں بہتوں شعراء نے لکھنوی زبان و بیان کو ترجیح دی۔ چنانچہ یہاں کے شعروادب میں دلی کا بیان، لکھنؤ کی زبان، مقامی مٹی کی مہک، دکن کی چمک، پورب کا خمیر سبھی کچھ رچ بس گیا۔

ذیل میں یہاں کے معروف اساتذہ اور ان کے شاگردوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے اردو ادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان میں عثمان خاں راغبؔ، علیم اللہ خیالیؔ اور فخر الدین حاذقؔ کے نام اہم ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں، جنہوں نے آزادی کے قبل یہاں پودے لگائے تھے۔ آج وہ تن آور درخت کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ لہٰذا ان تینوں انجمن کے شاگردوں کی فہرست بیان کی جاتی ہے۔ جس میں برہان پور کی شعری وادبی تاریخ کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

انجمن راغبؔ

راغبؔ مولوی اختر کے شاگرد تھے۔ جنہوں نے سلسلۂ ناسخؔ کی شاگردی اختیار کی تھی۔ راغبؔ نے ۱۹۳۳ء میں جلیلؔ کی شاگردی قبول کی تھی، جو امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے کچھ عرصہ سیمابؔ اکبر آبادی سے بھی اصلاح لی تھی۔ اس طرح انجمن راغبؔ، سلسلۂ میرؔ، ناسخؔ اور امیر مینائی کا سنگم ہے۔ راغبؔ کے دو جانشین برکات احمد غالبؔ اور حمید اللہ خلیقؔ تھے۔ خلیقؔ برہانپوری جنہیں پروفیسر ڈاکٹر شیخ فرید نے ''مصورِ غم'' کہا ان کا مجموعہ کلام ''صدف'' کے نام سے مدھیہ پردیش اردو اکادمی بھوپال سے شائع ہو چکا ہے۔

خلیقؔ برہان پوری کے تین شاگرد اور جانشین محمود درانیؔ، شفیق رازؔ اور قیصر انصاری ہیں۔ خلیقؔ کے شاگردوں میں معصوم انصاری، نظرؔ دیول گھاٹی، عاصیؔ سہاگ پوری، محمودؔ نیپانگری، گردوںؔ فاروقی، فیضؔ خلیقی، دلؔ برہان پوری، جگرؔ، شاداںؔ، ناصر شاہی، ستارا انجمؔ، ساغرؔ، سحرؔ، توحید کامل، محبوب پروازؔ، رحمٰن ثاقبؔ، کوثرؔ خلیقی، اظہارؔ خلیقی، حاجی الطاف سوداگر، اقبالؔ نقیبؔ، عزیزؔ، رشیدؔ آثار، بسم اللہ عدیمؔ، لکشمن داس لکشمنؔ اور وجے بہادر سنگھ وغیرہ ہیں۔

برکات احمد غالبؔ کے شاگردوں میں محمود بیگ سازؔ، اعجازؔ اور رفعتؔ، نادرؔ ہیں۔ انجمن راغبؔ کے بہت سے شعراء آزادی کے ۲۵ رسال تک مختلف اخبارات و رسائل میں چھائے رہے۔ مشاعروں میں پورے ہندوستان میں برہان پور کی نمائندگی کی۔ ان میں خلیقؔ، محمود درانیؔ، شفیق رازؔ اور سازؔ وغیرہ ہیں۔

سلسلۂ راغبؔ کے چند اہم شعراء کے کچھ شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بعد مرنے کے ہماری داستاں
دوستوں میں اک کہانی ہوگئی

راغبؔ برہانپوری

خوں رلاتا ہے مجھے عارضِ گلگوں کا خیال
مہندی ملنے کا ابھی ذکر وہاں ہوتا ہے

مولوی اختر رامپوری

وہاں ہوگی رہائی کیا کسی کو قیدِ غربت سے
جہاں قانون ہے پہنے ہوئے سونے کی زنجیریں

خلیقؔ برہانپوری

اچھا ہوا کہ راہ میں ٹھوکر لگی ہمیں
ہم گر پڑے تو سارا زمانہ سنبھل گیا

محمود درانی

کہیں آگ لگ نہ جائے مری آتشیں نوا سے
میں کسی کا سازِ دل ہوں مجھے چھیڑنا سنبھل کے

مرزا محمود بیگ ساز

اے رازؔ ناخداؤں کی نیت کو دیکھ کر
پانی جہاں پہ کم تھا وہیں ڈوبنا پڑا

شفیق راز

غم تو نبیوں نے بھی اٹھائے ہیں
خود کو پھر کیوں ملول رکھنا ہے

ساغر خلیقی

روزی روٹی نے محبت نے کا بھرم توڑ دیا
تم بھی آنے سے گئے ہم بھی بلانے سے گئے

شاداں خلیقی

پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے کچھ پنچھی
آس باندھے ہوئے دریا پہ سفر کرتے ہیں

توحید کامل

بچے اسی میں اک نئی دنیا بسائینگے
کاغذ پہ تو قلم سے کوئی گھر اتار

محبوب پرواز

مجھ سے پوچھو درد مہاجر زادوں کا — روز سویرے گھر سے ہجرت کرتا ہوں

رحمٰن ثاقب

میرا سینہ ہے کشادہ مری اردو کی طرح — دل کے دروازے پہ یارو! مرے زنجیر نہیں

بسم اللہ عدیم

انجمن خیالی

علیم اللہ خیالی کے جانشین حشمت اللہ ریاضی تھے۔ خیالی کا "دور جدید" اور ریاضی کا "میکدہ منظر عام ہو چکا ہے۔ خیالی کے شاگردوں میں محمد قاسم لطافت، ظہور حسین رضی، فہمی، شرر، ذکی اور جاوید انصاری تھے۔ حشمت اللہ ریاضی کے جانشین فاضل انصاری تھے۔ شاگردوں میں نعمت انصاری، ڈاکٹر شیخ فرید، حکمت اللہ صہبا، جمیل اصغر ہیں۔ فاضل انصاری کے جانشین اختر آصف ہیں۔ شاگردوں میں ایڈوکیٹ سراج احمد، ساگر انصاری، واحد انصاری، زاہد وارثی، تفضیل تابش، نصیر انصاری اندور، ولی انصاری اندور اور عزیز انصاری اندور وغیرہ ہیں۔ اختر آصف کے شاگردوں میں مختار نصرت، ڈاکٹر ممتاز راشد، عارف انصاری، شبیر ساجد، خورشید نظر وغیرہ ہیں۔ جمیل اصغر کے شاگردوں میں عابد قزلباش اور ذکی انور وغیرہ ہیں۔ اس انجمن کے ابتدائی شعراء میں اکثر ایسے ہیں جو آزادی کے قبل پیدا ہوئے اور آزادی کے بعد تک ادب کی خدمت کرتے رہے۔ چند شعرا انجمن خیالی کے شعراء کے درج کئے جاتے ہیں ؎

خود عمل سے رہ گئی محروم انگشت عمل
اور گردش میں رہے تسبیح کے دانے بہت

خیالی

دنیا ہے اس فریب سماعت میں مبتلا
ہر اک کو گماں ہے مجھے آواز دیجئے

ریاضی

جلا لو اپنی اپنی مشعلیں اے قافلے والو
پرائی روشنی ہے کہکشاں سے کچھ نہیں ہوگا

اسماعیل فہمی

مصیبتوں میں خدا یاد آ ہی جاتا ہے
اسے شکست خیال صنم نہیں کہتے

ڈاکٹر شیخ فرید

اب کہیں جا کے مرے جسم نے راحت پائی
روح نکلی کہ کھٹکتا ہوا کانٹا نکلا

فاضل انصاری

لوٹا سزا جو کاٹ کے ناکردہ جرم کی
گھر آ کے میں نے سارے پرندے رہا کئے

اختر آصف

بہت ممکن ہے مجھ سے جنگ کا نقشہ پلٹ جائے
میں اک پیادہ سہی مجھ کو مناسب چال پہ رکھ دو

اجمیل اصغر

پھول سے تتلی اڑا کر ہنسنے والے یہ بتا
کوئی تیرا دل دکھائے تو تجھے کیسا لگے

زاہد وارثی

بچے معاشیات پہ کرتے ہیں گفتگو
بچپن کا لطف اب کہاں جھولوں کے شہر میں

ڈاکٹر عارف انصاری

انجمن حاذقؔ

فخر الدین حاذقؔ استاد شمشاد لکھنوی کے جانشین تھے حاذقؔ کے جانشین فضل حسین صابرؔ اور مطیع اللہ راشدؔ تھے۔ صابرؔ کے شاگرد عزت اللہ خادمؔ اور محبوب الحق ارمانؔ تھے ارمانؔ کے جانشین شریف الدین ناشرؔ ہیں۔ خادمؔ کے جانشین غلام حسین شمیمؔ اور نعیمؔ اختر خادمی ہوئے اور شمیمؔ کے شاگردوں میں تسنیمؔ، شمشیر انجم، کلام آذر، شوکت انصاری، ہارون ایاز وغیرہ ہیں۔

فخر الدین حاذقؔ کے دوسرے جانشین مطیع اللہ راشدؔ کے بہت سارے شاگرد تھے۔ ان کے دو جانشین اخترؔ راشدی اور شفقؔ الراشدی تھے۔ دیگر شاگردوں میں سکندر اعظم، سیفی، نظر سیہوروی، وصی الدین عارف، یعقوب صادقؔ مخدوم جابر برہانی وغیرہ۔

اختر راشدی کا کوئی بھی شاگرد نہیں ہے۔ لیکن اتفاق رائے سے لطیف شاہدؔ کو جانشین چنا گیا۔ نذیر محمد شفقؔ کے جانشین شیر محمد مشتاقؔ اور رحمت شادؔ ہیں۔ شاگردوں میں قتیلؔ امید، آزاد امیدی، ناشادؔ، ظہور حسین لطفی، سعید احمد وفا، بشر، بشیرؔ، نشترؔ شفقی، مسرورؔ شفقی، چراغ، غازی، محمد علی ہلالؔ، ایم شاہد وغیرہ ہیں۔ مسرورؔ شفقی کے شاگردوں میں ڈاکٹر فاروق راحیلؔ، خلیل اسد، ریاست علی ریاست، مختار عاقلؔ، فہیم، سحر اور تاج ہیں۔ مندرجہ بالا شعراء میں کچھ نام ایسے ہیں جو ہندوستان گیر شہرت کے مالک ہیں۔ حاذقی گروہ کے کچھ شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

حاذقؔ نہ کیوں زبان ہماری ہو مستند
برسوں رہے ہیں خدمت اہلِ کمال میں

حاذقؔ

شوق کہتا ہے کہ پہلو سے نہ اٹھنے پائیں
دل یہ کہتا ہے ابھی ہیں مرے ارمان بہت

صابرؔ

غفلتوں نے تری دکھلائیں ہیں یہ دن تجھ کو
کیا ترے سامنے اسلاف کی روداد نہیں

راشدؔ

نہ جانے اور کتنی دیر ہے برسات ہونے میں
یہ بادل تو ابھی ٹھنڈی ہوائیں لیکے آئے ہیں

نعیم اختر خادمی

صدیوں حرم میں رہ کے بتوں نے یہ کیا کیا
مقبول بارگاہِ خدا بھی نہ ہوسکے

اختر راشدی

مریض عشق ایسی الجھنوں سے دور ہی اچھا
معالج کون، چارہ کیا مرض کیا دوا کس کی

شفق الرشدی

وہ پوچھ رہے ہیں کہ کیا نذر وفا کیا
میں سوچ رہا ہوں کہ مرے پاس بچا کیا

وصی الدین عارف

نجانے کتنے یگوں کی ہے داستاں ان میں
وہ بولیاں کہ جنھیں کوئی رسم خط نہ ملا

لطیف شاہد

یہ اقتدار کے بھوکے یہ مصلحت کے غلام
وہاں بھی چپ ہیں جہاں بولنا ضروری ہے

شیر محمد مشتاق

انہیں شعر آزاد کے نذر کردو
جو فن کے ترازو میں فن تولتے ہیں

آزاد امیدی

پتھروں کو نور کا پیکر بنانے کے لئے
فکر میری اس جگہ پہنچی جہاں آذر نہ تھا

مسرور شفقی

تصویر روٹیوں کی بنائی بیاض میں
بچوں نے اپنے آپ کو بھوکا نہیں رکھا

چراغ الدین چراغ

ریت کا طوفاں ایسا ٹھہرا آکر آنکھ میں
گہری ندیاں ہوگئی اتھلے سمندر ہو گئے

فاروق راحیلؔ

ہوتا نہ روشناس نئے تجربات سے
میں بھی زمیں کے ساتھ اگر گھومتا نہیں

تاجؔ محمد تاجؔ

مذکورہ انجمنوں کے علاوہ اور بھی بہت سے شعراء ہیں جیسے ڈاکٹر فائق، خورشید پیرزادہ قیصر محمود، ڈاکٹر جلیل الرحمٰن، مجاز آشنا، شعور آشنا، خالدؔ انصاری، ولیؔ، کریم کوثر، خورشید فاروقی، نادم اشرفی، امین اعجاز، عبدالکریم حنفی، حبیب انورؔ (مرحوم) نعیم راشد کارپوریٹر، طاہر نقاش، شاہد اختر، عابد نظرؔ، اعجاز امیدی وغیرہ وغیرہ ہیں ان شاعروں کے علاوہ کچھ شاعر ایسے ہیں جو ملازمت یا تجارت کے سلسلے میں یہاں آئے اور یہیں کے ہو رہے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہاں پیدا ہوئے، نشو ونما پائی مگر دوسرے علاقوں میں جا بسے جیسے عاصیؔ فائقی، قاسم یاس اور ڈاکٹر محمد شفیع مہبوبی وغیرہ۔ غرض کہ اس مختصر مقالے میں برہانپور کی شعری وادبی تاریخ کا ایک آئینہ خانہ پیش کیا گیا ہے۔ بہت سے نئے شعراء کے نام رہ گئے ہیں جسے میری کم علمی سمجھئے آئندہ کسی مقالے میں اس تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کرونگا۔

باب سوم

برھان پور میں اردو نثر کا آغاز
آزادی سے قبل

باب سوم

برھان پور میں اردو نثر کا آغاز آزادی سے قبل

(اسباب، وجوہات، کتبات، کتب خانے، مختلف زبانیں)

اردو شاعری کی طرح برہان پور میں اردو نثر کا آغاز بھی ابتدائی دور میں ہو چکا تھا۔ لیکن شاعری کی طرح اس طرف لوگوں نے کم توجہ صرف کیا..... کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد نثر کا یہ گلستان بھی یہاں کے ادیبوں کے ہاتھوں پروان چڑھا۔

وقت اور حالات کے تحت یہاں کے نثری ادب میں چنداں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ جس کا خاص سبب حکومتوں کا عروج وزوال تھا۔ دوسری وجہ یہ رہی کہ مقامی اہل قلم کے علاوہ دیگر مقامات کے کئی مصنف، محقق، ادیب اور شاعر یہاں تشریف لائے اور اسی شہر کو اپنا وطن ثانی بنالیا۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی پیدائش برہان پور میں ہوئی۔ نشو ونما پائی، تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوئے..... لیکن بعد میں دوسرے مقامات پر جا بسے۔ وہاں علم وفن کے کمالات دکھائے اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ بعض ایسے نثر نگار بھی گذرے ہیں، جن کی آمد اور طویل قیام نے اس شہر کے علم وادب میں قابل قدر اضافہ کیا۔ انہیں ابتدائی ایام میں عبدالرحیم خان خاناں کی شخصیت برہان پور کے علم وادب کو تقویت عطا کرنے میں اور اسے پروان چڑھانے میں ایک غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کا قیام یہاں پر کم وبیش تیس برس رہا۔ اس مغل اکبری عہد میں ایران، افغان اور دیگر علاقوں سے علماء، ادباء، فضلاء اور شعراء کا جھمگھٹا سا لگ گیا تھا۔

جس طرح شمالی ہند میں دہلی، لکھنؤ، آگرہ، علی گڑھ، بدایوں، بجنور اور لاہور وغیرہ مقامات علماء، شعراء اور مصنفین کا مسکن رہے ہیں۔ اسی طرح یہ شہر عربی، فارسی اور اردو زبان وادب کے علم برداروں کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ یہاں فاروقی، مغل اور آصف جاہی دور حکومت میں ادباء، شعراء، اطباء اور علمائے کرام کی سرپرستی ہوتی رہی۔ بعد میں بھی مرہٹہ اور انگریزوں کے زمانے میں یہ سلسلہ رواں رہا۔ نثری ادب کے ارتقاء میں دینی ومذہبی کتب اور ملفوظات کے علاوہ یہاں کے کتبات کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ جو اس سلسلے کی اہم کڑی ہے اور اس زمانے کی نثر کا نمونہ بھی۔ انہیں کتبات کے ذریعے بعد کے مؤرخین نے خوب فیض اٹھایا..... اور تاریخ مرتب کی۔ برہان پور میں اگر مذہبی کتب اور ملفوظاتی ادب کے علاوہ اردو نثر کے ابتدائی نقوش کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے یہاں کے کتبات سے اس کی ابتداء ہوتی ہے۔

ان کتبوں کی تحریریں مؤرخانہ اسلوب بیان، مختلف موضوعات، فن خطاطی اور فن سنگ تراشی کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ ان کتبوں کی زبان عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، عبرانی (Helbro) وغیرہ زبانوں پر مشتمل ہے۔ جس کے تقریباً ۶۵ رکتبے ہیں..... اور بعد میں اردو پر مشتمل ہیں۔

برہان پور اپنے بے مثال کتب خانوں کے لئے مشہور تھا۔ لیکن آج ایک بھی اردو کا کتب خانہ موجود نہیں ہے۔ مولوی معین الدین ندوی نے لکھا ہے۔

> ''برہان پور اور اسیر گڑھ کے کتب خانوں میں کچھ ایسی نادر کتابیں تھیں جو شہنشاہ اکبر کے یا شمالی ہند کے کسی کتب خانے میں موجود نہیں تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ فیضی کو ایک کتاب تغلق نامہ کے چند ورقوں کی ضرورت پیش آئی تو اس نے برہان پور کے بادشاہ عادل شاہ فاروقی کو خط لکھ کر درخواست کی تھی ..... فیضی کا یہ خط ایلیٹ صاحب کے کاغذات کے ساتھ برٹش میوزیم لندن میں رکھا ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سلاطین فاروقیہ کے وہ شاندار کتب خانے کیا ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہنشاہ اکبر اسیر گڑھ اور برہان پور کی دولت کے خزانے اپنے ساتھ لے گیا وہیں یہاں کی نایاب کتابوں کے علمی خزانے بھی اپنے ساتھ اسی طرح لے گیا جس طرح وہ فتح گجرات کے بعد وہاں کے شاہی کتب خانے آگرہ لے گیا تھا''
>
> (''برہان پور مرکز علم وفن'' مولوی معین الدین ندوی ص ۵۳،۵۲ از اسلامی کتب خانے ص ۲۵۸)

شاہی کتب خانوں کے علاوہ یہاں کئی ذاتی کتب خانے بھی تھے۔ مولوی قدرت اور مولانا جلال الدین اللہ والے حضرات کے کتب خانوں میں مذہبی کتابوں کے ذخیرے تھے۔ لیکن افسوس وہ کتب خانے برباد ہو گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ رہی کہ اس وقت پریس کی سہولت نہ تھی۔ دوسرا سبب یہ رہا کہ کتب خانوں کے مالکوں کے معاشی حالات سازگار نہ تھے۔ اس بنا پر کتابیں فروخت کر دیں۔

”جن کا بڑا حصہ حیدر آباد کی لائبریریوں میں محفوظ ہے۔ بعض قلمی کتابیں پٹنہ، دہلی، علی گڑھ، بمبئی اور گجرات کے کتب خانوں میں پہنچ گئی ہیں۔ کچھ نسخے انگلینڈ کے انڈیا آفس کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ کچھ تو برہان پور میں آگ لگنے کے حادثات میں ضائع ہو گئے اور کچھ مالکوں کی لاپرواہی سے دیمک کی نذر ہو گئے“ (”یادگارِ سلف“ جاوید انصاری ص ۴)

اس وقت شہر برہان پور میں اس زمانے کے صرف دو کتب خانے باقی ہیں۔ ان میں سے ایک مولوی سید احکام اللہ صاحب کے وارثوں میں سید اکرام اللہ صاحب کے پاس دوسرا برہان الدین راز الٰہی کے تلامذہ میں سید شرف الدین پیرزادہ کے پاس موجود ہے۔ آج بھی سینکڑوں کتابیں اور نادر قلمی نسخے برہان پور میں موجود ہیں۔ جو لوگوں کی ذاتی ملکیت ہیں۔ ان میں سے اکثر صندوقوں اور الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ دنیائے ادب ان سے محروم ہیں۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ یہاں ایک کتب خانہ قائم کیا جائے تا کہ اہل قلم اس سے فیض اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام قیمتی اور نادر کتابیں و نسخے کسی صورت اس میں جمع کر دیئے جائیں تو یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ کتب خانہ ہندوستان کے عظیم کتب خانوں میں اہم ہوگا۔

ابتدائے دور میں یہاں نثری ادب، تاریخ، مذہبی کتابوں اور قلمی ملفوظات کی شکل میں ملتا ہے، جس کی زبان عربی و فارسی ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ رہی کہ فاروقی دور میں عربی و فارسی کو اولیت حاصل رہی اور مغل دربار کی زبان فارسی ہی تھی۔ جس کے سبب اکثر نثر نگاروں نے انہی زبانوں کے اثر سے ادب کی خدمات انجام دیں۔ سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ بے شمار ملفوظات منظر عام پر آئے۔ اور اپنے اپنے دور کی تاریخ مرتب کی گئی۔

عربی و فارسی اور اردو زبان و ادب کے ساتھ ساتھ یہاں سنسکرت اور ہندی نے بھی کافی ترقی کی فاروقی دور کی تعمیر برہان پور اور اسیر گڑھ کی جامع مسجد میں سنسکرت کی طویل عبارت اس کی موجودہ مثال ہے اور مغل عہد کے وہ ہندی کتبے جو جہانگیر کے زمانے میں دریائے تاپتی کے کنارے اور شاہجہاں کے دور

میں قلعۂ اسیر کے فارسی کتبے کے ساتھ لگائے گئے تھے۔شامل کئے جاسکتے ہیں۔خان خاناں نے علم نجوم پر مثنوی سنسکرت اور فارسی کی آمیزش سے لکھی اور اچاریہ بھاسکر کی علم حساب سنسکرت کی کتاب کا ترجمہ ۹۷۵ھ میں فارسی میں بدرالحساب کے نام ہوا۔غرض اس دور کے نثر نگاروں نے انہی زبانوں کے سحر سے ادب میں سحر سامری کا اثر پیدا کر دیا ہے۔

ان نثر نگاروں میں پہلا نام شیخ بہاؤالدین باجنؒ (المتوفی ۹۱۲ھ/ ۱۵۰۶ء) کا ہے۔جنہوں نے شہر برہان پور میں شعری ونثری ادب کی داغ بیل ڈالی ،تصوف اور علم سلوک میں ایک کتاب ''خزانۂ رحمت'' فارسی میں لکھی جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔شاہ باجنؒ نے ایک سو بائیس سال کی طویل عمر میں اسی شہر میں وفات پائی۔شاہ بازار برہان پور میں مدفون ہیں۔یہ محلّہ آپ کے نام سے موسوم ہے۔

شاہ باجن کے پوتے شیخ فریدالدین ابن عبدالحکیم نے بہت سی عربی و فارسی کتابوں کے خلاصے اس نئے ڈھنگ سے کئے کہ اصل کتابوں کے پیچیدہ مسائل اور معانی ومطالب پوری طرح ادا ہو گئے تھے۔ آپ کے پرپوتے شیخ عزیز اللہ کا شمار مستند علماء میں ہوتا ہے۔فقہ حنفی میں ایک کتاب ''مراۃ المسائل'' لکھی۔ اس کا فارسی قلمی نسخہ حیدرآباد کے ادارۂ اردو کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

ان کے بعد ایک اہم نام شیخ علی متقی (المتوفی ۹۷۵ھ) کا ہے۔جو شاہ باجن کے شاگرد تھے۔شیخ علی متقی نے حدیث میں ایک مایہ ناز کتاب ''کنزالعمال'' عربی میں لکھی یہ کئی ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ تقریباً ہر زبان میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔سب سے پہلے حیدرآباد کے ''دائرۃ المعارف'' نے اسکو چھپوایا۔اس کے بعد کئی ایڈیشن چھپ کر شائع ہوئے یہ حدیث کی کتابیں جو ''صحاح ستہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔اس کا انتخاب ہیں۔موصوف نے علم اخلاق میں ایک کتاب ''جوامع الکلم'' لکھی اس ایک قلمی نسخہ ''خدابخش لائبریری'' پٹنہ میں موجود ہے۔جو خود موصوف کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔چند کتابوں کے قلمی نسخے پٹن گجرات میں ہیں۔اس کے علاوہ فارسی میں ایک کتاب شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات میں لکھی جو ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے کتب خانے میں رکھی ہوئی ہے۔انھوں نے اپنی حیات میں سو سے زائد کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔شہر مکہ میں عرصہ دراز تک علماء کو درس دیتے رہے،وہیں وفات پائی۔شیخ علی متقی کے تلامذہ میں عبدالوہاب متقی،طاہر پٹنی،ابومحمد عارفی،محمد بن فضل اللہ قابل قدر ہیں۔

شیخ عبدالوہاب متقی (المتوفی ۱۰۰۵ھ) نے علی متقی کی طرح کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ ایک مشاق کاتب بھی تھے۔ خطِ نستعلیق بہت عمدہ تھا۔ دن رات استاد کی خدمت میں رہتے اور ان کی تصانیف کی کتابت کیا کرتے تھے۔ کتابت کی مشق اس بلا کی تھی کہ بارہ ہزار بیت بارہ رات میں لکھ ڈالی۔ اس کے ساتھ آپ دن میں بھی کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اپنے استاد علی متقی کے احوال میں ایک کتاب ''مناقب متقی'' لکھی۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے بہت سے شاگرد تھے۔ ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۱ھ) مصنّف ''اخبار الاخیار'' مشہور ہیں۔

شیخ محمد (المتوفی ۱۰۲۹ھ) خواجہ فضل اللہ کے فرزند اور علی متقی کے شاگرد تھے۔ آپ کے والد بزرگوار عالم و فاضل اور صاحب تصانیف تھے۔ علم تصوف میں ایک کتاب ''تحفہ محمدیہ'' لکھی، جو کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ محمد بن فضل اللہ نے چند رسالے اور کتابیں عربی زبان میں تصنیف کیں۔ ان میں ''تحفۃ المرسلہ'' بہت مقبول ہوئی۔ عرب کے مشہور عالم شیخ ابراہیم کردی مدنی اور شیخ عبدالغنی نابلسی نے اس کی مفصّل شرحیں لکھی ہیں۔ ایک مرتبہ جاوہ سماٹرا سے کچھ مسلمان آ کر اس اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہی کتاب مصر میں عربوں کو پڑھائی جاتی تھی۔ موصوف کے شاگرد ملا عبدالغفور برہان پوری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا، جو حیدرآباد سے شائع ہوا، اس کا اردو ترجمہ برہان پور کے مشہور مؤرخ و مترجم مطیع اللہ راشدؔ (برہان پور کے سندھی اولیاء) نے کر کے کراچی پاکستان سے شائع کیا، جس میں عربی و فارسی عبارات دو علیحدہ علیحدہ دو کالم میں تحریر ہے

فاروقی دور کے دیگر نثر نگاروں میں شاہ جلال الدین ابن نظام الدین (المتوفی ۹۵۱ھ) نے اسیر گڑھ اور برہان پور کے اولیائے کرام کے حالات پر ایک کتاب تصنیف کی جو ''ملفوظاتِ جلالی'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ملفوظہ اب نایاب ہے۔ اگر یہ دستیاب ہو جائے تو برہان پور کی ادبی تاریخ مرتب کرنے والوں کی تشنگی حتی الامکان دور ہو جائے گی۔ موصوف شاہ نعمان شیرازیؒ کے نبیرہ تھے۔

شیخ ولی محمد شطاری (المتوفی ۹۸۸ھ) نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور تراجم کیے، جن میں سید حسینی کی کتاب ''نزہۃ الارواح'' کا بسیط ترجمہ ہے۔ قاضی سراج محمد بنبانی (ہمدانی ایرانی شہر) المتوفی ۱۰۱۰ھ نے معمولی رسالوں کے علاوہ شیخ نظامی گنجوی کی کتاب ''مخزن الاسرار'' کا ترجمہ کیا۔ مولانا جلال الدین اللہ والے نے بھی کتابیں فارسی زبان میں تحریر کی ہیں، جس کا اردو ترجمہ برہان پور کے استاذ الاساتذہ مولوی اختر محمد خان نے کیا۔

مولانا جلال الدین اللہ والے کے فرزند مولانا نصیر الدین عرف عبید اللہ نے بھی تقریباً ۲۰ رکتابیں تصنیف کیں، جنہیں شہنشاہ جہانگیر اور بیجا پور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ نے اعزاز واکرام سے نوازہ۔ شیخ طیب سندھی (المتوفی ۹۹۴ھ) بھی صاحب تصانیف اور جلیل القدر محدث تھے۔ عربی و فارسی میں بہت سی کتابیں علم فقہ و حدیث پر تحریر کی ہیں۔ جن میں ''مجمع البحار'' اور ''منتخب مواهب الدنيا'' بہت مقبول خاص و عام ہوئیں۔ اس دور کے دیگر نثر نگاروں میں اہم نام شاہ عیسیٰ جنداللہؒ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) ہم عصر محمد بن فضل اللہ کا ہے۔ شاہ عیسیٰ کا زمانہ فاروقی سلطنت کے زوال اور مغل حکومت کے آغاز کا ہے۔

موصوف کے آباو اجداد پاکستان کے صوبہ سندھ کے قصبہ پات یا پاتری کے رہنے والے تھے۔ جس کی بنیاد شاہ عیسیٰ کے بزرگوں نے ہی رکھی تھی۔ بادشاہ ہمایوں، شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد لاہور ہوتا ہوا ۹۴۹ھ/ ۱۵۴۲ء میں سندھ پہنچا..... وہاں بدامنی پھیل گئی... ہزاروں لوگوں نے سندھ کو خیر آباد کہا شاہ عیسیٰ کے عم بزرگوار شیخ طاہر، شیخ طیب اور والد شیخ قاسم محدث سندھی اپنے متعلقین کے ہمراہ احمد آباد گجرات پہنچے... کچھ عرصہ بعد اچل پور آ گئے وہیں ۹۶۲ھ میں شاہ عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔ عمر ۱۹ رسال عنفوان شباب، میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ اپنے چچا اور دیگر حضرات کے ساتھ برہان پور آ گئے۔ جہاں قیام پذیر ہوئے محلہ سندھیان کہلایا، جو بعد میں سندھی پورہ کے نام سے مشہور ہوا۔

شاہ عیسیٰ جنداللہ شیخ لشکر محمد عارف کے تلامذہ میں تھے۔ جو محمد غوث گوالیاری کے شاگرد تھے۔ لشکر محمد عارف کی مناسبت سے اپنا لقب جنداللہ (اللہ کا لشکر) اختیار کیا اور تخلص جندیؔ۔ آپ کے اساتذہ میں ایک استاد شیخ عثمان نے ایک کتاب ''توضیح'' عربی میں لکھی۔ یہ بخاری شریف کی شرح ہے۔ شاہ عیسیٰ نے ''عین المعانی'' فارسی میں لکھی جو عرفان و سلوک کے رموز و نکات سے معمور ہے۔ کتاب روضة الحسنى ''میں اللہ کے ۹۹ رنام کی صفات مع شرح کے فارسی میں ۱۰۲۰ھ میں لکھی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ سید احکام اللہ کے خانگی کتب خانہ میں موجود ہے اور غالباً شاہ عیسیٰ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مختصر رسالہ ''حواس پنجگانہ'' انوار الاسرار، رسالہ قبلہ المذاهب الاربعہ، حاشیہ برشرح ضیائیہ، فتح محمدی، تتمیم شرح مائتہ عامل، رسالہ عقود، مجمع البحرین، اسرار الوحی، ترجمہ چہل حدیث قدسی وغیرہ علم فقہ، تفسیر و حدیث کی مشہور کتابیں اور ترجمے ہیں۔ برہان پور کے مشہور محقق ڈاکٹر شیخ فرید نے شاہ عیسیٰ کے حالات میں تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ جو حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ شاہ عیسیٰ کے فرزند فتح محمد محدث نے بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔

نماز کے مسائل پر "مفتاح الصلوٰۃ" کانپور اور لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ "مصباح الصلوٰۃ" کے نام سے بمبئی میں چھپا۔ وظائف میں ایک کتاب "فتوح الاوراد" بھی کانپور میں چھپی حج وزیارت سے فراغت کے بعد عمر کے آخری ایام مکہ معظمہ گذرے وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند شیخ شہاب الدین بھی مصنف تھے۔ علم عقائد پر ایک رسالہ فارسی میں تصنیف کیا۔

مغل دورِ حکومت (۱۰۰۹ھ/۱۶۰۱ء تا ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء) کے اہم نثار میں عبدالرحیم خانخاناں کا شمار ہوتا ہے۔ خانخاناں (المتوفی ۱۰۳۶ھ) عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اور ہندی زبان کے مشہور مصنف تھے۔ آپ اکبر کے نورتن میں سے ایک تھے۔ اگرچہ آپ کی ولادت اور وفات برہان پور میں نہ ہوئی۔ مگر عمر کا طویل عرصہ یہاں گذرا۔ خانخاناں کی علمی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے، محمد حسین آزاد "دربارِ اکبری" میں لکھتے ہیں۔

> "وہ عربی زبان خوب سمجھتا اور بولتا تھا فارسی اور ترکی اس کے گھر کی زبان تھی میں نے اکثر عرضیاں بادشاہ اور شہزادوں کے نام، اکثر مراسلے احباب و امراء کے نام، اکثر خط مرزا ایرج وغیرہ بیٹوں کے نام دیکھے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فارسی کا انشا پرداز تھا" (دربارِ اکبری محمد حسین آزاد)

خانخاناں نے "تزک بابری" کا ترجمہ ترکی سے فارسی زبان میں کیا۔ اس کی سرپرستی میں ملا عبدالباقی نہاوندی نے ۱۰۲۴ھ میں "ماثر رحیمی" لکھی جس میں اس دور کے علماء شعراء اور حکماء کے تفصیلی حالات، انتخاب کلام اور دیگر علمی کارناموں کا ذکر ہے۔ جس کا اردو ترجمہ محمد اسماعیل فہمی برہان پوری نے کیا جو زیرِ طبع ہے۔

مغل دور کے دیگر نثر نگاروں میں خواجہ ہاشم کشمی (المتوفی ۱۰۴۵ھ) نے ایک کتاب "زبدۃ المقامات" فارسی میں لکھی جو نول کشور پریس لکھنؤ سے اور دوسری "مکتوبات امام ربانی" کی جلد سوم لاہور سے چھپ کر شائع ہوئی۔

شیخ عنایت اللہ (المتوفی ۱۰۸۲ھ) نے فارسی میں ایک کتاب "بہارِ دانش" شاہ جہاں کے دورِ حکومت میں لکھی ۱۰۶۱ھ میں بادشاہ نے انعام و اکرام سے نوازا۔ یہ کتاب عورتوں کی نفسیات، مکروفریب

کے واقعات، نصیحت آمیز حکایات پر مبنی ہے۔ فارسی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ لکھنؤ کے منشی ولایت علی نے واجد علی شاہ کے حکم سے اردو ترجمہ کیا۔ ایک منظوم ترجمہ محمد جان طپش لکھنوی نے بھی کیا۔ شیخ عنایت اللہ نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی تھی وہیں انتقال فرمایا۔

ان کے بعد برہان الدین راز الہٰ (المتوفی ۱۰۸۳ھ) نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ آپ شاہ عیسیٰ کے تلامذہ میں تھے۔ تصنیفات میں شرح آمنت باللہ، وصیت نامہ اور آپ کے مکتوب بہت مشہور ہیں۔ آپ کے پوتے کریم اللہ رازی (المتوفی ۱۱۰۸ء) بھی شاعر و مصنف تھے سلوک و معرفت میں چند رسالے تصنیف کئے۔

برہان الدین راز الٰہی کے شاگرد شیخ نظام الدین ایک جید عالم، فوجی سپہ سالار، اور تصنیف کار تھے۔ عالم گیر نے آپ کو ''مقرب خاں'' کا خطاب دیا۔ اسی کے حکم پر آپ نے عربی میں ''فتاوائے عالمگیر'' کو ترتیب دیا۔ فقی حنفی کی یہ کتاب شیخ نظام الدین کے زیر اہتمام لکھی گئی جس میں جون پور کے مستند علماء بھی شریک تھے۔ آپ نے یہ کتاب ۸۲ر سال کی عمر میں مکمل کی۔ بادشاہ نے صلے میں انعام و اکرام سے نوازہ۔ عالمگیر نے اس زمانے میں دولاکھ روپے اس کی کتابت پر صرف کر کے قاضیوں کی عدالت میں رکھوادیا تھا۔

مستند حوالوں کے ساتھ مرتب کی ہوئی یہ کتاب آج بھی فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے کرنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ہو کر کئی بار چھپ کر شائع ہوا۔ حیدر آباد کے دائرۃ المعارف نے کئی جلدوں میں اور دیوبند سے ماہانہ قسطوں میں شائع ہوا۔ اردو کے کئی ایڈیشن نکلے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ''محمڈن لاء'' کے نام سے چھپ کر شائع ہوا۔ اسی دور کے مشہور عالم مولانا عبدالعظیم (المتوفی ۱۱۴۱ھ) نے عربی کتاب ''عین العلم'' پر عمدہ شرح لکھی اس کا نام ''حق العلم'' رکھا۔ موصوف مدرسہ بی بی کی مسجد محلہ اتوارہ میں عربی و فارسی کا درس دیتے تھے۔ مذکورہ محدثین، مؤرخین اور محققین کے علاوہ ایسے اہل قلم بھی گذرے ہیں، جنھوں نے دیگر علوم وفنون میں اپنا نام روشن کیا ہے۔ ان میں چند ایسے اطباء بھی گذرے ہیں جنھوں نے علم طب میں مشہور تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں مغل دور کے حکیم اکبر ارزانی اور آصفی دور کے حکیم عبدالسلام اہم ہیں۔

حکیم ارزانی (المتوفی ۱۱۳۴ھ/ ۱۷۲۱ء) ایسے مایہ ناز طبیب حاذق تھے، جنھوں نے فوجی خدمات اور جراحی و دواسازی میں شہرت پائی۔ موصوف نے عالم گیر کے زمانے سے فرخ سیر کے دور حکومت

تک طبی خدمات انجام دی ہیں ۔ان کی فارسی کتابیں طبیہ کالجوں میں محفوظ ہیں۔ اطباء ہند آج بھی اس فائدہ اٹھارہے ہیں ۔"طب اکبر" دو ضخیم جلدوں میں جس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ جو بمبئی سے طبع ہو کر شائع ہوا یہ کتاب ۱۱۲۰ھ میں لکھی گئی جس کے صلے میں شہنشاہ اورنگ زیب نے اعزاز و اکرام سے نوازہ ۔آپ کی تصنیفات اور سوانحی حالات تاریخ طب وغیرہ کتابوں میں درج ہے۔

حکیم عبدالاسلام (متوفی ۱۱۹۳ھ) ایک اچھے طبیب ہونے کے ساتھ عالم دین اور حافظ قرآن بھی تھے ۔اور تمام عمر حبیب وطبیب بن کر مریضوں اور ضرورت مندوں کی خدمت میں مصروف رہے۔ علم طب میں ایک کتاب "قرابا دین سلامی "لکھی، جس میں مجرب وآزمودہ نسخے لکھے۔ جو آپ کی زندگی کا ثمرہ تھے۔ آج بھی طبیب حضرات اس کے ذریعے کامیاب علاج کرتے ہیں۔ ۱۱۹۳ھ میں رحلت فرمائی نیا محلّہ شاہ حاکم کے مزار کے پاس مدفون ہوئے۔

جس طرح مسلم حضرات نے سنسکرت اور ہندی زبان وادب کی خدمت کی ہے، اسی طرح غیر مسلم حضرات نے عربی فارسی اور اردو کو فروغ دیا ہے۔ ان مصنفین میں بھیم سین کائستھ کی نسخۂ دلکشاء ،روپ نارائن کھتری کی مختصر الطیف ،دولت رائے دبیر کی تاریخ آصفی اور چندولال شاداں نے عشرت کدہ آفاق جیسی کتاب لکھیں۔ جو اپنے اپنے دور کی مستند تاریخ ہے۔

اردو نثر نگار: جب ہم برہان پور میں اردو شعری ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو برہان پور کے راجدھانی بنے سے قبل اردو شاعری کی ابتداء سعدی دکنی سے ہو جاتی ہے۔ شاہ باجن با قاعدہ شاعری وفارسی نثر کا آغاز کرتے ہیں لیکن اردو نثری پود کی آبیاری کا جائزہ لینے پر دور دور تک کوئی شخصیت دکھائی نہیں دیتی۔ پہلا نام شاعر و نثر نگار مولوی خلیل الرحمٰن کا نظر آتا ہے جنہوں نے کتاب "تاریخ برہان پور" ۱۸۹۹ء میں لکھی جو بہت مشہور ہوئی ۔اس کا سن اشاعت ۱۳۱۷ھ ہے۔ جس میں برہان پور کے فاروقی، مغل، آصفی اور مراہٹہ حکومت کے ادوار کے حالات اور واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ صوفیہ اور علمائے اکرام کی سوانح حیات اور یہاں کی تاریخی عمارات کا بھی ذکر موجود ہے۔ موصوف کا زیادہ تر قیام حیدرآباد میں رہا اور وہیں وفات پائی۔

ان کے بعد قاری حافظ علاؤالدین (المتوفی ۱۳۶۳ھ) نے ایک مختصر رسالہ "سفینہ دربیان شبینہ "لکھی۔ حکیم کشن داس عرف پل والے حکیم (پیدائش ۱۸۷۲ء وفات ۱۹۴۸ء) نے "سرمایۂ عشرت "لکھی جو فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے یہ کتاب دہلی سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ دوسری کتاب

کتاب منظوم "تاریخ الحکماء" جو لاہور سے ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی کل ۳۱۹/اشعار مسدس کی شکل میں یونانی حکماء کے تاریخی احوال وآثار لئے ہوئے ہیں۔

مولوی اختر محمد خان متوفی ۱۹۵۴ء نے تقریباً تیس فارسی کتابیں ترجمہ کیں۔ چند کتابیں شائع نہ ہوسکیں۔ "اشاعت اسلام، نادان صوفی، الطیب الرائحہ، عقائد توریشتی، اسلام کے پانچ ارکان اورجواہر ہاشمیہ "طشت ازبام ہوچکی ہیں۔ فخر الدین حاذق (متوفی ۱۹۱۶ء) نے "خزینۂ محاورات" لکھی۔ یہ کتاب ۱۳۲۸ھ میں ارزانی پریس کان پور سے طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ چند کتابوں کے قلمی نسخے بھی تھے جو زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکے۔

باب چہارم



برہان پور میں اردو نثر

۱۹۴۸ء سے ۱۹۷۰ء تک

- مطیع اللہ راشدؔ،
- محمد اسماعیل فہمیؔ،
- جاویدؔ انصاری،
- ایڈوکیٹ بشیر محمد خان،
- مولوی معین الدین ندوی،
- ڈاکٹر شیخ فرید،

سیّد مطیع اللہ راشدؔ

ولادت ۱۸۹۷ء

وفات ۱۹۶۰ء

نام سید محمد مطیع اللہ، قلمی نام راشدؔ، والد کا نام فضل اللہ تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کا آغاز ہونے والا تھا کہ ۱۸۹۷ء میں مطیع اللہ نے اس دار العجائب میں آنکھیں کھولیں۔ بچپن میں ہی والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا کریم اللہ نے کم سن بچے کو اپنی تحویل و سرپرستی میں لے لیا اور ان کی تعلیم و تربیت میں خصوصی توجہ صرف کی۔ کریم اللہ خود بھی عالم و فاضل تھے۔ فارسی کی چند کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ بعد میں منشی عبدالرحمٰن خاں غوری سے اعلیٰ تعلیم پائی۔

سید مطیع اللہ کا خاندان متموّل نہ تھا مگر علم و ادب کی دولت سے مالا مال تھا۔ والد متقی اور باعمل تھے۔ والدہ شہر کے صوفی، عالم و فاضل گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ علمی و دینی ماحول ورثہ میں پایا۔ جس کی اہمیت کا احساس انہیں زندگی بھر رہا۔ اس سلسلے میں انہوں نے خود اپنی کتاب ''برہان پور کے سندھی اولیاء'' میں ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ وہ شیخ محمد بن فضل اللہ کی اولاد ذرینہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد فکر معاش دامن گیر ہوئی تو انھوں نے اہل و عیال کی کفالت نیز علمی ذوق کی تکمیل کے لئے پرائمری اسکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ دیگر اوقات میں جلد سازی بھی کیا کرتے تھے۔ نہایت خوش اخلاق اور خوددار شخصیت کے مالک تھے۔ ناموافق حالات کے سبب حیدرآباد چلے گئے، وہاں ایک سال قیام کرنے کے بعد مع اہل و عیال ۱۹۴۸ء میں کراچی پاکستان چلے گئے۔ وہیں ۱۹۶۰ء میں انتقال فرمایا۔

راشدؔ برہان پوری نے چھوٹی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ شاعری میں فخرالدین حاذقؔ سے اصلاح سخن کیا جو خود بلند شاعر اور عمدہ نثر نگار تھے۔ حاذقؔ نے اصلاح اور حوصلہ افزائی بھی کی

راشد ایک اچھے مقرر بھی تھے۔ دینی و علمی تعلیم ورثہ میں پائی تھی۔ ساتھ ہی اسلامی لٹریچر کا گہرا مطالعہ تھا۔ اسلامی فکر سے متاثر ہوئے ......اور اسی تاثر کے ساتھ انھوں نے برہان پور کی متفرق روحانی شخصیات پر مضامین لکھے۔ یہ رسالہ عالمگیر، معارف اعظم گڑھ، دل کراچی وغیرہ سے شائع ہوتے رہے۔ حضرت نظام الدین شاہ بھکاری کے حالات میں ایک مختصر کتاب، ریاض الشہداء اور واقعات کربلا کے منظوم

چار حصے اسی سوچ کا نتیجہ ہیں۔

مطیع اللہ راشد کو تاریخ سے لگاؤ اور تحقیق و تلاش سے دلچسپی تھی۔ دن رات انھیں مصروفیات میں گزرتے۔ "تاریخ برہان پور" پر ایک عرصے سے تحقیقی کام کر رہے تھے۔ اسی دوران انھیں "تذکرہ اولیائے سندھ" لکھنے کی دھن سوار ہوگئی۔ سب کام چھوڑ کر اولیائے سندھ کی تحقیق میں لگ گئے۔ اس پروگرام کی شروعات کئے کچھ عرصہ ہی گذرا تھا کہ ایک حادثہ میں ان کے گیارہ سالہ فرزند کی موت ہوگئی۔ اس سانحہ نے انھیں توڑ کر رکھ دیا۔ صحت خراب رہنے لگی۔ لیکن بلند حوصلے نے کبھی جوش کم نہ ہونے دیا۔ دوڑ دھوپ کر کے مسودہ تیار کیا مگر ملک کی تقسیم ہوگئی۔ ناسازگار حالات کی بنا پر وطن عزیز چھوڑ کر کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۵۶ء میں تحقیقی کتاب تذکرہ اولیائے سندھ، "برہان پور کے سندھی اولیاء" سندھی ادبی بورڈ کراچی سے چھپ کر شائع ہوئی۔ شیخ محمد بن فضل اللہ کی کتاب "تحفۃ المرسلہ" کا اردو ترجمہ شائع کرایا۔ (شیخ محمد بن فضل اللہ پر ڈاکٹر صفیہ مزمل نے بھی کتاب تالیف کی ہے) تاریخ برہان پور مکمل تو ہوئی مگر افسوس ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی۔ ان کی تحریروں میں علمی چمک، بلند آہنگی، مذہبی سوچ، سادگی و شگفتگی پائی جاتی ہے اور اس میں مترادفات کا استعمال مزید پختگی بخشتا ہے۔ مقفیٰ و مسجع عبارات سے کسی حد تک پرہیز کرتے ہیں۔

اردو ترجمہ کتاب "تحفۃ المرسلہ" کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے عربی کی اصل عبارات اور مولانا عبدالغفور کا فارسی ترجمہ (مطبع حیدرآباد دکن) دو الگ الگ کالم میں تحریر کئے تھے۔ راشد برہان پوری ایک اچھے شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس ترجمہ میں کہیں کہیں مقفیٰ عبارات اور ہم وزن جملوں کا استعمال کر کے عبارت آرائی بھی کی ہے۔ جس سے ان کی تحریری سادگی پر حرف آتا ہے۔ چند عبارات کو چھوڑ کر پورا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان میں کیا گیا ہے۔

"برہان پور کے سندھی اولیاء" معروف تذکرہ اولیائے سندھ، میں سندھ کے صوفی بزرگوں کے حالات وواقعات، بڑی تلاش و تحقیق کے بعد، تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو سولہویں صدی عیسوی میں شورش اور بدامنی کا شکار ہو کر سندھ سے ہجرت کر کے برہان پور پہنچے تھے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اختر پرویز نے (ہفت روزہ ادب نامہ بھوپال میں) لکھا ہے کہ

”یہ کتاب جو کہ سندھی ادبی بورڈ کی کراچی کی جانب سے شائع
کی گئی ہے۔ واقعی ایک ایسی کتاب ہے جس پر اہلِ برہان پور
جس قدر بھی ناز کریں کم ہے۔ کیونکہ یہ کتاب برہان پور میں
اس صدی میں شائع ہوئی کتابوں میں اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔
بلاشبہ یہ اس پائے کی کتاب ہے جو پچھلے سو برس میں برہان پور
کے کسی عالم کی شائع نہیں ہوئی ہے۔ تحقیق و تذکیر کی عمدہ
کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ
اسے دیکھنے اور اس کے مطالعہ سے ہی ممکن ہے ایمان کی بات تو
یہ ہے کتاب تصنیف کر کے قبلہ راشدؔ صاحب نے جہاں اپنے
علامہ ہونے کا ثبوت دیا ہے وہیں سرزمین برہان پور کی شہرت کو
بامِ عروج پر پہنچانے کی سعی و کوشش بھی کی ہے“

محمد اسماعیل فہمی

وفات ۱۹۷۳ء

ولادت ۱۹۰۴ء

محمد اسماعیل فہمی شہر کی مشہور ادبی شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں برہان پور کے جن شعراء، ادباء نے نمایاں حصہ لیا، ان مسلم رہنماؤں میں کانگریس سے ان کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ موصوف کا پورا نام محمد اسماعیل ابن حاجی عبدالرحمٰن تھا۔ ۱۹۰۴ء میں اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم کیا۔ پرائمری اردو تعلیم کے بعد فارسی ادب کے لئے مقامی مدرسہ خیر الاسلام میں داخل ہو کر اس زبان میں مہارت حاصل کی۔ جن اساتذہ سے تعلیم پائی۔ ان میں منشی محمد داؤد اور مولانا غلام احمد افغانی فاضل دیوبند کے نام اہم ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کتب بینی کا شوق پیدا ہوا۔ جس سے ان کی علمی استعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۱۹۶۶ء میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور ۱۶ر مئی ۱۹۷۳ء میں رات ۹ ربجے رحلت فرمائی۔

محمد اسماعیل فہمی کا بڑا کارنامہ عبدالباقی نہاوندی کی کتاب ''مآثر رحیمی'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ایک ایسا علمی کارنامہ ہے جس کی اشاعت سے اردو ادب میں ایک اضافہ ہوگا۔ جاوید انصاری نے اردو ترجمہ مآثر رحیمی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''فہمی صاحب نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑی علمی خدمت کی وہ فارسی کی عظیم تاریخی کتاب ''مآثر رحیمی'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو ایران کے مشہور مورخ ملا عبد الباقی نہاوندی نے برہان پور کے مغلیہ عہد میں ۱۰۲۴ھ میں تصنیف کیا تھا۔ خانخاناں مرزا عبدالرحیم جب یہاں کے صوبیدار تھے ان کی سرپرستی میں جو مشہور علماء، شعراء اور حکماء مقیم تھے۔ ان کے تفصیلی حالات اور کلام اور دیگر علمی کارناموں کا ذکر ہے۔ مصنف نے اسے تین سال میں لکھا تھا۔ فہمی

صاحب نے دو سال کی لگا تار شب و روز محنت سے اس
کتاب کا اردو ترجمہ کیا تا کہ اردو داں طبقہ اپنے اسلاف کے
علمی کارناموں سے واقف ہو سکے اور آئندہ نسلوں کے لئے
موجودہ علمی طبقے کے لئے اہم تاریخی یادگار ہے۔ وہ اپنی
زندگی میں اس کتاب کو شائع نہ کر سکے"

(مجموعۂ کلام نیرنگ دانش فہمی برہان پوری مرتب جاوید انصاری ص ۱۰،۹)

اسماعیل فہمی نے دنیا کو الوداع بھی کہہ دیا لیکن قدرت کارساز کو ان سے جو کام لینا تھا، ہو چکا تھا
آج ان کی وفات کو بھی ۳۱ ر برس کا عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اردو داں طبقہ اس کا منتظر
ہے اور آنکھیں ہونے کے باوجود دیکھنے سے محروم ہے۔

جاوید انصاری

وفات ۱۹۹۳ء

ولادت ۱۹۱۵ء

عبدالقادر نام اور تخلص جاوید تھا۔ ان کے والد عبدالرحمٰن شہر کے شرفاء میں شمار کیے جاتے تھے۔ دادا شیخ سبحانی ابن شیخ احمد اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی کے ہنگامے میں، ان کے دادا نے اعظم گڑھ سے ترک وطن کر کے برہان پور میں آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں شیخ سبحانی کا انتقال ہوا۔ ان کے ایک ہی فرزند عبدالرحمٰن تھے۔ اردو کی معمولی تعلیم پائی۔ آبائی پیشہ پارچہ بافی کو ذریعہ معاش بنایا۔ اس میں خوب ترقی کی ۱۹۴۲ء میں فریضۂ حج ادا کرنے مکہ معظمہ پہنچے۔ تکمیل حج کے بعد دو دن کی مختصر علالت میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ وہیں قبرستان جنت المعلیٰ میں سپرد خاک کیے گئے۔

حاجی عبدالرحمٰن کے کئی فرزند تھے۔ ان میں فہمی اور جاوید انصاری مشہور ہوئے۔ جاوید بچپن سے ہی بہت ذہین تھے۔ تعلیم سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کا نام ادبی انجمنوں میں پکارا جانے لگا۔ وہ ایک معمولی قد، سیدھے سادے اور ملنسار انسان تھے۔ ان کو مطالعہ سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی۔ ذوق مطالعہ کا عالم یہ تھا کہ بینائی کمزور ہونے کے باوجود کتابیں آنکھوں سے لگائے پڑھتے تھے۔ بے حد خود دار تھے۔ اپنی زندگی کسمپرسی میں گذار دی۔ تمام عمر ادب کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۹۳ء میں رحلت فرمائی۔

جاوید انصاری کی شخصیت بڑی پہلودار، متجسّس تھی۔ اسی وجہ سے یہ مختلف صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہوں نے وہ زمانہ پایا، جب شہر کے گلی کوچوں میں شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہو رہی تھیں۔ انہوں نے کچھ دور تک زمانے کی اس روش کا ساتھ دیا لیکن بعد میں نثر نگاری کی طرف مائل ہو گئے۔

نثر کے میدان میں ان کا قلم بہت تیز تھا۔ انہوں نے مختلف النوع موضوعات پر بہت کچھ لکھا اور لکھنے کے بعد اسے محض بیاضوں میں بند نہیں رکھا بلکہ چھوٹی بڑی ہر کتاب کو چھپوا کر شائع کیا۔ جاوید انصاری کو اس کام میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ برہان پوران کی خدمات کا قرض کبھی نہ اتار سکے گا۔

ان کی مطبوعہ تصانیف میں ''سلک گہر آثار فاروقیہ، شاہکار فاروقیہ، فیض روحانی، فیضان متقی، مسجد گائڈ، یادگار سلف'' جیسی مشہور کتابیں شامل ہیں۔ ایک کتاب ''تاریخ برہان پور'' فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کو مالی اعانت کے لئے بھیجی گئی تھی جو کہ شائع نہ ہو سکی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات و

تالیفات کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تاکہ ان کی خدمات کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

جاوید انصاری کی تحریروں میں سادگی، صفائی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ سیدھے سادے اور چھوٹے جملوں میں بات کرنے کے عادی ہیں۔ کہیں کہیں ثقیل الفاظ بھی آ گئے ہیں لیکن وہ عبارت کی روانی میں گراں نہیں گذرتے بلکہ اس کی پوری عکاسی اور ترجمانی کرتے ہیں۔

جاوید کا بڑا نثری کارنامہ ''سلک گہر'' ہے۔ اس کتاب میں برہان پور کے قدیم شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس میں برہان پور اور اس کے قرب و جوار کے ابتدائی دور کے شعراء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کے مختلف اصناف سخن کے شعراء کا انتخاب کلام، سوانح، ان کی شاعری، نثری اور علمی خدمات کے ساتھ ساتھ ان کی زبان و بیان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب جاوید انصاری کی علمی اور تحقیقی قابلیت کا مظہر ہے۔

اسی نوعیت کی دوسری کتاب ''یادگار سلف'' ہے۔ یہ ایک تاریخی مقالہ ہے۔ جسے جاوید انصاری نے ۲۵ر مارچ ۱۹۸۱ء کو برہان پور میں، مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی کے سیمینار میں پڑھا تھا۔ جسے ۱۹۸۳ء میں شائقین کے اصرار پر شائع کیا گیا۔

فیض روحانی (مطبوعہ ۱۹۸۰ء) میں نظام الدین حضرت شاہ بھکاری کے حالات اور فیضان متقی میں شیخ علی متقی کی مختصر سوانح حیات درج ہے

اس کے علاوہ مسجد گائڈ ۱۹۷۴ء، آثار فاروقیہ ۱۹۷۹ء شاہکار فاروقیہ ۱۹۸۲ء میں یہاں کی مساجد اور فاروقی دور کی تعمیرات کی تفصیل ہے۔ تعمیرات کے بیان میں اظہار اتنا دلکش ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی گائڈ سیاحوں کا ہاتھ پکڑے تاریخی عمارات کی سیر کرا رہا ہے۔ چند مضامین اور ایک کتاب تاریخ برہان پور شائع نہ ہو سکی۔

ایڈوکیٹ بشیر محمد خان

والد راغبؔ، شہر کے استاد شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ علمی ماحول میں پرورش پائی، پرائمری سے میٹرک تک کی تعلیم شہر برہان پور میں حاصل کی۔ میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ۱۹۲۶ء میں ایم۔اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

والد راغبؔ ہاشمی اور بھائی برکات احمد غالبؔ کی طرح انہوں نے شاعری کی دنیا میں قدم نہیں رکھا۔ بلکہ اپنی راہ خود چنی اور تحقیقی، تاریخی مضامین کو اپنایا۔ تاریخی سلسلے سے عالمگیر، ادب لطیف، معارف اور نیرنگ خیال میں ان کے کئی مضامین شائع ہوئے۔

ایڈوکیٹ بشیر محمد خاں کا بڑا کارنامہ ''تاریخ اولیائے کرام برہان پور'' ہے۔ یہ کتاب ان کی زندگی کے ۲۵ رسالہ محنت کا ثمرہ ہے۔ علی گڑھ کے تعلیمی دور میں ہی انہوں نے کتابوں کی ورق گردانی شروع کردی تھی اور بڑی تحقیق کے بعد علی گڑھ سے مواد اکٹھا کیا۔ اس سلسلہ میں خود انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ اولیائے کرام برہان پور'' میں ایک جگہ تحریر کیا ہے۔

> ''جب شہر برہان پور میں ہائی اسکول میں تعلیم پاتا تھا۔ تب ہی سے مجھے تاریخ سے خاص دلچسپی رہی.... بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۱۹ء علی گڑھ ایم۔اے۔او کالج میں داخلہ لیا جس کو ۱۹۲۰ء میں گورنمنٹ نے مسلم یونیورسٹی کا چارٹر دیا.....قابل اساتذہ اور پروفیسروں کا تقرر ہوا........ مثلاً جناب سجاد حیدر یلدرم رجسٹرار، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، پروفیسر ہادی حسن صاحب، پروفیسر حبیب، پروفیسر مجیب صاحب وغیرہ چنانچہ ان کی تعلیم و ہم نشینی، تعلیمی ماحول ہم عصر طلبہ کے بحث و مکالمہ لٹن لائبریری میں اردو، فارسی اور انگریزی کتابوں کا معقول ذخیرہ اور لائبریری کے خاموش ماحول میں ریسرچ کرنے والے طلبہ کو سہولتیں وغیرہ....... چنانچہ فرصت کے

اوقات میں لٹن لائبریری میں بیٹھ کر میں نے تاریخی کتابوں کی چھان بین کی اور شاہان فاروقیہ، دور مغلیہ اور آصف جاہی وغیرہ کی تاریخ ان کے ادوار کے صوفیائے کرام، مشاہیر عظام اور شاعران قدیم کے حالات زندگی کے متعلق جس قدر بھی مواد دستیاب ہو سکتا تھا۔ اپنی سات سالہ کالج کی زندگی میں فراہم کیا"

علی گڑھ سے آنے کے بعد بھی وہ تحقیق وتلاش میں رات دن مشغول رہے اور بڑی پریشانی اٹھانے کے بعد یہ کتاب مکمل کی مگر افسوس ان کی زندگی میں یہ شاہکار شائع نہ ہوسکا..... بعد میں ان کے فرزندوں نے سحر آرٹ پریس پونا سے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ اس کی مقبولیت کی بنا پر دوبارہ جنوری ۱۹۹۷ء میں شائع کیا گیا۔

بشیر محمد خان کی نثر میں تاریخی کتب و سیر کی جو زبان ہونی چاہئے، اس کے تمام تر اصول پائے جاتے ہیں لیکن سلاست وروانی کا فقدان ہے.... زبان اگر چہ سلیس ہے پھر بھی چاشنی کا ذائقہ جو نثر کو دلچسپ بناتا ہے یک گونہ عنقا نظر آتا ہے..... اس کے باوجود اگر ہم ان کی نثر کا برہان پور کے پس منظر میں جائزہ لیتے ہیں تو ایک شگفتہ مزاج سے پُر نثر نظر آتی ہے اور یہی ان کی مقبولیت اور شناخت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

بشیر محمد خان کی کتاب "تاریخ اولیائے کرام برہان پور" اپنے آپ میں ایک مکمل کتاب ہے جسے "تذکرہ اولیائے کرام برہان پور" کے نام سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ ان کا گراں مایہ تحقیقی کارنامہ ہے۔

مولوی معین الدین ندوی

ولادت　　　　وفات ۱۹؍دسمبر ۱۹۷۸ء

ان کی ولادت مارول ضلع جلگاؤں کی ہے۔ مدرس کی حیثیت سے برہان پور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ اسی شہر میں ۱۹؍دسمبر ۱۹۷۸ء میں انتقال کیا۔ وہ عربی، فارسی، اردو کے عالم تھے۔ سنسکرت، ہندی، مراٹھی اور انگریزی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسہ ضیاء العلوم کانپور میں ہوئی۔ انہوں نے دہلی سے فاضل اردو، ناگپور سے میٹرک پاس کی اور الٰہ آباد سے عالم و فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے درس و تدریس کے میدان میں قدم رکھا۔

مدرسہ چراغ ہدایت، جلگاؤں میں دینیات کی تعلیم اور سارو جنک ہائی اسکول جل گاؤں میں فارسی اردو کا درس دیتے رہے۔ اس کے بعد برہان پور آئے اور یہاں حکیمیہ ملٹی پرپز ہائیر سیکنڈری اسکول میں کئی سال عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم دیتے رہے، اسی کے ساتھ سیوا سدن کالج برہان پور میں تقریباً ۲۰؍سال اردو، فارسی کے لیکچرر رہے۔ معین الدین کئی علمی و ادبی کمیٹیوں کے ممبر اور چند مدارس اور یونیورسٹیز کے ممتحن بھی رہے۔

تقریباً ۲۰؍سال سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ مدھیہ پردیش کی عربی و فارسی کمیٹی کے ممبر رہے۔ کچھ عرصہ تک ساگر یونیورسٹی کی مختلف علمی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے خدمات بھی انجام دیں۔ ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جشن تعلیمی میں ۱۷؍ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ ان میں مولانا بھی شریک تھے۔ اس کے پہلے ۱۹۷۱ء میں ایرانی شہنشاہیت کا جوڑھائی ہزار سالہ جشن دہلی میں ہوا۔ اس میں موصوف نے شرکت کی اور فارسی زبان میں مقالہ ''اثر و نفوذ زبان فارسی برالسنہ ہند'' پڑھ کر سنایا، جس کی بہت پذیرائی ہوئی۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی کی نگرانی میں مرکزی حکومت دہلی، وزارت تعلیم کی طرف سے جو اردو کی معیاری لغت مرتب ہوئی۔ اس کی ترتیب و تدوین میں موصوف کا تعاون رہا۔ مولوی معین الدین کو عربی، فارسی، سنسکرت کے کتبوں کو حل کرنے میں کمال حاصل تھا انہوں نے برہان پور اور اسیر گڑھ کے تقریباً ۶۵؍شاہی کتبوں کی تحقیق کر کے انہیں حل بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے تحقیقی

مضامین ''معارف'' اعظم گڑھ سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ کتاب ''دارالسرور، برہان پور...'' زیور طباعت سے آراستہ ہو رہی تھی کہ اچانک ایک حادثہ میں ان کی موت واقع ہوگئی۔

مولوی معین الدین کی نثر میں مولویت کی چھاپ نمایاں ہے۔ ان کے یہاں کسی ایسے طرز اسلوب کا گذر نہیں ہے، جس پر اردو نثر کا کوئی دبستان اثر انداز ہوا ہو۔ چلتی پھرتی زبان عربی اور فارسی کی آمیزش سے استعمال ہوئی ہے۔ ان کی مذکورہ کتاب میں اگر چہ اسلوب سادہ اور رواں دواں استعمال ہوا ہے لیکن ان کے تحقیقی مضامین کی بہ نسبت جامعیت کا فقدان نظر آتا ہے۔ دراصل یہ ان کی تاریخی تقریر ہے، جسے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے، اسی لئے مضامین کی بھر مار ہے، کوئی مضمون تکمیل کو پہنچنے نہیں پاتا اور دوسرا موضوع چھڑ جاتا ہے... اسی لئے اکثر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر موصوف کسی عنوان پر تحقیق کر کے باقاعدہ کوئی کتاب تالیف کرتے تو اس کی اہمیت کئی گناہ بڑھ جاتی.... اس کے باوجود ان کی کتاب اور مضامین میں علمی گفتگو اور تاریخ کے حقائق کا ایک روشن باب نمایاں ہے جو ہند کی تاریخ کو واشگاف کرتا ہے۔

ڈاکٹر شیخ فرید

وفات ۲۳ر مئی ۱۹۹۸ء

ولادت یکم جنوری ۱۹۱۷ء

شیخ فرید کا تعلق برہان پور سے ہے۔ آپ نے اس علمی شہر میں آزادی سے قبل آنکھیں کھولیں۔ یہیں ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔ شیخ فرید کا خاندان متوسط طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے خاندان کی کوئی قدیمی علمی روایت نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی ذاتی کاوش اور لگن سے علم کے میدان میں اپنا مقام بنایا اور وقت کی رفتار میں اپنی ادبی شناخت کو قائم ودائم کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر شیخ فرید کا نام، قدیم اردو ادبیات کی تحقیق سے وابستہ رہا ہے۔ دکنی اور گجراتی کے مایۂ ناز محقق مانے جاتے تھے۔ ان کے سیکڑوں تحقیقی مضامین ''نوائے ادب ممبئی، معارف اعظم گڑھ، ہفت روز ہماری زبان'' وغیرہ میں ہند کے مشہور رسائل و جرائد اور اخبارات میں نصف صدی سے زیادہ عرصے تک شائع ہوتے رہے۔ کئی پروجیکٹ پر کام کیا۔ کتابوں پر تبصرے کیے۔ ادارت کی۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ رہے۔ ایک درجن ریسرچ اسکالروں کے نگراں رہے۔ دو کتابیں ''شاہ عیسیٰ جنداللہ اور شاہ باجن اور گجری کلام'' شائع ہوئی

ڈاکٹر شیخ فرید کا اصل میدان اردو کے علمی و تحقیقی مضامین ہیں، جسے اردو دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حدیث انصاری موصوف کی تحقیقی کاوشوں کے متعلق اپنے مقالہ ''مدھیہ پردیش میں اردو تحقیق کا معیار'' (ہفت روزہ ہماری زبان دہلی) میں رقم طراز ہیں۔

> ''شیخ فرید مرحوم کا نام اردو تحقیق سے وابستہ رہا ہے۔ مرحوم کا قدیم اردو ادبیات پر گہرا مطالعہ تھا۔ انہوں نے برہان پور جیسے علمی شہر میں آنکھیں کھولیں تھیں۔ جو ہماری قدیم ادبی تاریخ کا ایک بڑا مرکز ہے۔ جسے اکثر نذر انداز کیا گیا ہے۔ شیخ فرید نے برہان پور کی ادبی تاریخ پر تحقیق کی اور تاریخ کے کئی گوشوں کو اپنی تحقیق سے منور کیا۔ شاہ شیخ باجن پر ان کا تحقیقی مقالہ اردو ادب کی قدیم تاریخ میں بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے تحقیقی

مضامین رسالہ "نوائے ادب" انجمن اسلام بمبئی میں شائع
ہوتے رہتے تھے۔ مرحوم نے کئی سال انجمن اسلام بمبئی کے
ادارہ میں تحقیقی خدمات انجام دیں"

باب پنجم

۱۹۷۱ء سے دور حاضر کے اہم نثر نگار

❁ صدیق اکبر،

❁ اختر پرویز،

❁ ایڈوکیٹ سراج احمد انصاری

❁ محمد اظہر عرف بچو میاں

❁ ڈاکٹر سید شرف الدین پیرزادہ،

❁ ایڈوکیٹ خلیل احمد انصاری،

❁ ڈاکٹر زبیر احمد انصاری

❁ شبیر احمد روشن،

❁ ڈاکٹر سید فاروق احمد راحیل

صدیق اکبر

ولادت ۱۹۲۳ء وفات ۲۷ مئی ۱۹۹۹ء

صدیق اکبر نہایت سرگرم شخصیت کے مالک تھے، نثر، کتابت، خطابت، سیاست، صنعت کوئی میدان ان کی خدمات سے خالی نہیں ہے۔ آبائی وطن بدھوئی ضلع مرزا پور یو۔ پی تھا۔ والد سعد اللہ میاں جی ابن شیخ بہادر نے ترک وطن کر کے برہان پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ بدھوئی میں صنعت پارچہ بافی، کھیتی، زمین جائداد سب کچھ تھا مگر یہاں حال بدتر ہو گئے۔ بینائی بھی جاتی رہی، اسی دوران صدیق اکبر کی پیدائش ہوئی۔ خلافت تحریک کے دوران مولانا محمد علی، شوکت علی جوہر کی والدہ برہان پور آئیں، جن کی صدارت میں اس شہر میں خواتین کا پہلا جلسہ منعقد ہوا، جس میں ان کی والدہ پیش پیش تھیں۔ اسٹیج پر اپنے خیالات کا اظہار کر کے مستورات وعوام میں خلافت سے متعلق ہمدردی، جوش اور عزم بھر دیا۔

حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم پرائمری سے آگے نہ بڑھ سکی۔ لیکن علم کا ذوق انہیں حشمت اللہ ریاضی تک لے گیا۔ ان سے عربی، فارسی اور دیگر علوم سیکھا۔ پہلے پارچہ بافی، تجارت پھر سیاست میں آگئے۔ محلہ حریر پورہ سے میونسپلٹی کا چناؤ جیت کر میونسپل کاؤنسلر ہو گئے۔ انہوں نے مختلف شعبوں میں مختلف خدمات انجام دیں۔ عوامی خدمت کرتے کرتے ۲۷ مئی ۱۹۹۹ء بروز جمعہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

نثری خدمات:۔ صدیق اکبر نے تجارت کے دوران کئی مضامین لکھے تھے۔ جو نایاب ہو گئے۔ ان کے چند ریڈیائی مضامین اردو، ہندی ادبی ماہنامہ ''خلوص'' (مہو) سے بھی شائع ہوئے ہیں۔ صدیق اکبر کا ایک میدان خطوط نگاری بھی ہے۔ انہوں نے اپنے عزیز واقارب اور احباب کو جو مختلف نوعیت کے خطوط لکھے ہیں، ان میں ادبی لطافت کا امڈتا ہوا سیلاب ہے۔

ان سے بڑھ کر وہ ایک اچھے اور کامیاب خطوط نگار ہیں۔ ان کی قابلیت اسی صنف میں کھلتی ہے۔ جس شخص سے ان کی ملاقات ہوتی ان کو خط ضرور لکھتے تھے۔ مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی فضل تابش، (مدھیہ پردیش اردو اکاڈمی بھوپال) ڈاکٹر عزیز اندوری اور ایسے کئی ادیب وشعراء کو لکھے گئے خطوط علمی وادبی اور سادہ زبانی کے مظہر ہیں۔

انہوں نے ہندوستان کے مختلف ریڈیو اسٹیشن سے ادبی، سماجی، تاریخی اور فلاحی مقالے پڑھے ہیں، جو دہلی، بھوپال اور اندور وغیرہ اسٹیشنوں سے نشر ہوتے رہے۔ انتقال سے چند روز بیشتر ان کا مقالہ ''پریوار نیوجن'' آکاش وانی اندور سے نشر ہوا، ان ریڈیائی مضامین میں زبان سادہ سلیس ہے۔ ہندی الفاظ کا استعمال بڑی خوبی سے کیا ہے۔

اختر پرویز

ولادت ۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء ۱۲ جون ۲۰۰۶ء

نام محمد اختر خاں اور اختر پرویز قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ والد حاجی علی منشاء خان افغانی پٹھان تھے آبائی وطن نتزول سوات بنیر ضلع پشاور تھا۔ ان کی پیدائش اسکولی سرٹیفکٹ کے مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اردو اسکول برہان پور سے اور میٹرک ۱۹۵۱ء میں حکمیہ ملٹی پرپز ہائی سیکنڈری اسکول برہان پور سے پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ کچھ دن تعلیم حاصل کی چند وجوہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور برہان پور واپس آ گئے۔

شہر کی سیاسی، ادبی اور سماجی تاریخ میں ان کی خدمات قابل ذکر رہی ہیں۔ وہ شروع سے ہی کمیونزم اور ترقی پسند خیالات ونظریات کے حامی رہے ہیں۔

نثری سرگرمیاں:۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز جنتا لائبریری اور انڈیا لائبریری سے ہوتا ہے۔ اسی دوران انہوں نے ایک کہانی ''میدان عمل'' لکھی جو ہفت روزہ ''سویرا'' سے شائع ہوئی۔ اس کے ایڈیٹر جمنا داس نے اس کہانی کو پسند کر کے انہیں پہلا انعام دیا۔ مشہور صحافی خلش جعفری نے انہیں ایک انگریزی کہانی کا ترجمہ کرنے کی ترغیب دی، جو انھوں نے ترجمہ کر کے ''عقل مند خاتون'' کے نام سے ماہنامہ ''کرنیں'' ناگپور کی مدیرہ محترمہ شفیقہ فرحت (صدر انجمن ترقی اردو ہند مدھیہ پردیس بھوپال) کو بھیج دی۔ جو ''کرنیں'' کے شمارے میں شائع ہوگئی۔ یہیں سے ان کی خود اعتمادی بڑھی اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ کہانیاں لکھیں..... ترجمے کئے......افسانے لکھے، مختلف شخصیات پر تبصرے کئے اور ادبی، سیاسی، تاریخی، تحقیقی، مضامین لکھے جو ہفت روزہ ''ہماری زبان'' دہلی، روزنامہ ''اردو ٹائمز'' بمبئی، ''انقلاب'' بمبئی، ''معارف'' اعظم گڑھ، روزنامہ ''ندیم'' بھوپال، رسالے ''شمع اور بانو'' وغیرہ اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

ان سب سے ہٹ کر وہ ایک کامیاب افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ ''خون پھر خون ہے'' ۱۹۹۲ء میں فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوا۔

اختر پرویز کے افسانوں کی ابتداء حیرت واستعجاب کے انداز سے ہوتی ہے۔ اس کا خمیر برہان پور

کی سرزمین سے ہی اٹھایا گیا ہے۔ پلاٹ کی ساخت اس طرح رکھتے ہیں۔ جس کی کشش قارئین کو اپنی طرف کھینچ رکھتی ہے اور کرداروں کے فصیح و بلیغ مکالمے، خیالات کو افسانوی دائرہ میں مقیّد کر دیتے ہیں.......ان کے افسانوی محل میں ایک ایک پردہ، دھیرے دھیرے سرکتا جاتا ہے۔ مشہور صحافی خلشؔ جعفری نے ان کے افسانوی مجموعہ ''خون پھر خون ہے'' پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

> ''اختر پرویز عوامی تحریک کی بھٹی میں تپ کر نکلے ہیں اس لئے حقیقت نگاری ان کے افسانوں کا جزو اعظم ہے۔ ان کے افسانوی کردار ایسے جیتے جاگتے اور زندہ کردار ہیں جن سے آپ کی ملاقات، کسی بھی شہر اور بستی کے کسی بھی گلی کوچہ میں ہو سکتی ہے۔''
>
> (بشمول، افسانوی مجموعہ۔ خون پھر خون ہے)

ایڈوکیٹ سراج احمد انصاری

ولادت یکم جنوری ۱۹۳۵ء

نام سراج احمد، پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۵ء برہان پور میں ہوئی۔ والد کا نام حافظ پیر محمد اشرفی تھا۔ تعلیم کی ابتدا پرائمری منڈی اردو اسکول سے ہوئی۔ انٹرمیڈیٹ بھوپال بورڈ سے پرائیوٹ اور میٹرک ۵۲۔۱۹۵۱ء میں حکیمیہ اسکول سے پاس کیا۔ ۲۰ رسال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ لیکن علم کے ذوق وشوق نے آپ کو کسی دائرہ میں مقید نہ رہ کر آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ ۵۹۔۱۹۵۸ء میں ناگپور یونیورسٹی سے لوکل سیلف گارمنٹ ڈپلوما کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ذوق ہمیشہ باقی رہا۔

اسی وجہ سے وہ ادب سے وابستہ رہے۔ سراج احمد کی ادبی سرگرمیوں اور نثری کاوشوں کا آغاز شرد پگارے کے ہندی ناول ''گل آرا بیگم'' کے اردو ترجمہ سے ہوتا ہے۔ ناول کے ترجمہ میں سراج احمد نے ترجمہ کے جملہ اصول وقواعد کا ضرورت کے مطابق لحاظ رکھا ہے۔ اس ناول کے پڑھنے سے اس پر ترجمہ کا اندازہ نہیں ہوتا۔ بلکہ انہوں نے جس حسن وخوبی سے زبان وبیان اور الفاظ کا استعمال کیا ہے اس سے یہ ناول طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔

برہان پور میں اردو نثر کے فروغ میں ان کا ترجمہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ماسٹر محمد اظہر

ولادت ۲۲/اپریل ۱۹۳۵ء

اصل نام ظہیر اصغر، قلمی محمد اظہر، بچو میاں کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ والد محمد اصغر لیڈر تھے۔ بچو میاں کی پیدائش ۲۲/اپریل ۱۹۳۵ء برہان پور کی ہے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری منڈی اردو اسکول سے حاصل کی معاشی حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم یکسوئی کے ساتھ حاصل نہ کر سکے۔

نثری تحریر کی ابتداء طالب علمی کے زمانے سے ہوگئی تھی۔ ۱۹۵۶ء میں ایک مزاحیہ مضمون ''ٹھوکم ٹھاک ریڈیو اسٹیشن'' لکھا جو اردو ٹائمز بمبئی میں شائع ہوا۔ کاشف اندوری کے انتقال پر تعزیتی مضمون ''ایاز ''بھوپال سے اور مرزا ساز، محمود درانی، شیر محمد مشتاق شفقی وغیرہ کے کلام پر تبصرے پرچہ ''فاران'' پاکستان سے شائع ہوئے۔

انہوں نے مختلف النوع موضوعات پر مضامین لکھے، جن میں ادب، مذہب، تاریخ، طب، سیاست وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔ اکثر مضامین بڑے متوازن ہیں۔ ان کا انداز بیان سادہ اور سلیس ہے جو ان کی شگفتہ بیانی اور لسانی مہارت کا مظہر ہے۔ ان کے مضامین اکثر انقلاب، بمبئی، اردو ایکشن، آفتاب جدید، ندیم ہماری زبان نئی دہلی کے مشہور رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اصل میدان مراسلہ نگاری ہے۔

ڈاکٹر سید شرف الدین پیرزادہ

ولادت ۱۶/ جولائی ۱۹۴۱ء

سید شرف الدین کی ولادت ۱۶/ جولائی ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔ دینی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ان کے والد کا نام سید اکرام الدین تھا۔ دادا ریلوے میں ملازم تھے۔ اجداد کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی تھا یہی ان کا بھی سلسلۂ معاش رہا۔

شرف الدین کی ابتدائی تعلیم رواج زمانہ کے مطابق شروع ہوئی اور یہ سلسلہ ہمیشہ باقی رہا اور اعلیٰ تعلیم سے سرفراز بھی ہوئے۔ تعلیم و تحقیق کے میدان میں ان کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ''دکن کے اہم صوفی شعراء'' پر تحقیقی مقالہ لکھا جس پر ساگر یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔

شرف الدین ایک کامیاب مدرس بھی ہیں علم و ادب سے وابستگی شاید اسی پیشے کے سبب ہے۔

نثری خدمات:۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی مضامین لکھنا شروع کر دیئے تھے۔ مصروفیات کی وجہ سے نثری میدان سے رجحان کم ہو گیا۔ اکا دکا مضمون لکھے۔ ۱۹۸۴ء میں ''اخلاقی تعلیم کی ضرورت'' شائع ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شدید علیل ہو گئے تھے۔ اسی دوران ایک کتاب '' تاریخ خانوادہ حضرت شاہ برہان الدین محمد راز الہٰ شطاری و حضرت جمال الدین قادری'' لکھی جو ۱۹۹۹ء میں تاج آفسیٹ پریس برہان پور سے شائع ہوئی۔

ایڈوکیٹ خلیل احمد انصاری

ولادت ۲۶ر مارچ ۱۹۵۶ء

خلیل احمد انصاری کی ولادت برہان پور کے ایک متوسط گھرانے میں ہوئی۔ ان کے گھر میں علم کی شمع پہلے ہی سے روشن تھی۔ اردو، عربی، فارسی اور عصری علوم سے وابستگی خود ان کے والد بزرگوار مولانا حفظ الرحمٰن انصاری کے اندر موجود تھی۔ اس کے اثرات ان کے فرزندوں پر بھی پڑے۔

خلیل احمد کی تعلیم تربیت میں ان کے علمی خاندان کا بڑا ہاتھ ہے جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو علم وادب کا ذوق گھر آنگن میں پایا۔ پھر کیا ہوا ابتدائی تعلیم برہان پور سے حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے اور وہاں سے قانون میں سند فراغت حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انہیں Umer The Great کے موضوع پر L.L.M کی ڈگری سے سرفراز کیا۔ آج برہان پور میں ہی قانون کے ماہر استاد کی حیثیت سے حاصل کیا ہوا سرمایہ تقسیم کررہے ہیں۔

خلیل احمد انصاری کی نثر نگاری کا آغاز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیمی زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔ ان کے مضامین علی گڑھ میگزین میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان شائع شدہ مضامین میں "سید حامد ایک مرد آہن، اقبال کا تصور عشق، وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ماضی اور حال کے آئینہ میں، ہم نے جب اپنے گریبان میں دیکھا (سعادت حسن) منٹو کا فن، مسجد قرطبہ، (اقبال کے فن کا جائزہ) وغیرہ شامل ہیں۔

ایڈوکیٹ خلیل احمد کی نثر آل احمد سرور کی طرح تحریر میں تقریر کا مزہ دیتی ہے تفصیلات میں دلائل کا استعمال کر کے سرسید کا انداز بیان اختیار کرتے ہیں تو کبھی رشید احمد صدیقی کی طرح ہم آواز الفاظ کی تکرار سے عبارت میں سماں باندھ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر زبیر احمد انصاری

ولادت ۳۰/مارچ ۱۹۶۰ء

زبیر احمد انصاری ۳۰/مارچ ۱۹۶۰ء کو برہان پور میں پیدا ہوئے۔ان کے والد اختر وارثی شہر کے مقبول شاعر ہیں۔ان کی ابتدائی تعلیم برہان پور میں ہوئی۔بعد میں ساگر یونیورسٹی سے بی۔یو۔ایم۔ایس۔کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مختلف میڈیکل اور تعلیمی اداروں سے جڑ گئے پہلے کسی میڈیسن کمپنی میں ایم۔آر شپ کی پھر آیورویدک کالج شکار پورہ برہان پور میں لیکچرار ہو گئے۔اور اب گورنمنٹ کالج بھوپال میں بحیثیت لیکچرار مستقل تقرری ہو گئی۔

ڈاکٹر زبیر احمد نے علم طب میں چند کتابیں لکھیں ''امور طبیعہ اور التشخیص'' اعجاز پبلیشنگ ہاؤس دہلی سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔علم العضلات،اصول تشخیص،علم العین،غیر شائع شدہ،ہیں اور ' فبای آلاءِ ربکما تکذبان '' الفہد انویسٹمنٹ سے شائع ہوا۔ان کتب سے علیحدہ ایک کتاب برہان پور کی تاریخ پر ''مدوجزر'' کے نام سے لکھی۔جو الکمال اردو فاؤنڈیشن سے ۲۰۰۰ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔برہان پور کی قدیم اور موجودہ تاریخ پر مختصر مگر اچھی کتاب ہے،کہیں کہیں عبارت میں لوچ ہے۔لیکن اس کتاب میں برہان پور کی مقبولیت واہمیت،صنعت وحرفت،وجہ تسمیہ،محل وقوع،سلاطین وعمارات کی روداد،سیاسی ادبی تاریخ کی مختصر مگر قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے۔

شبیر احمد روشن

ولادت ۲۴ رفروری ۱۹۶۱ء

شبیر احمد کی ولادت ۲۴ رفروری ۱۹۶۱ء کو برہان پور میں ہوئی۔ ان کے والد شریف احمد کی معاشی زندگی ہمیشہ پریشان حال رہی، جس کے سبب شبیر احمد کی تعلیم نامکمل رہی۔ کسی طرح میٹرک کر پائے۔ لیکن علمی ذوق ہمیشہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مطالعہ نے تصنیف و تالیف کی طرف مائل کیا۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے ہوتا ہے۔

شبیر احمد کا پہلا افسانہ ''پیار کی قربانی'' رسالہ باجی جولائی میں ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا اور یہ سلسلہ چل نکلا جو آج بھی جاری ہے۔ ان کے افسانے ملک کے مختلف اخبارات، رسائل اور جرائد، میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اکا دکا خاکے ''عباس خان عرف سنجے خاں کا فلمی سفر'' اردو ایکشن بھوپال اور بونے قد کا الطاف اردو ٹائمز میں شائع ہوئے۔ لیکن ان کا اصل میدان افسانہ نگاری ہی رہا ہے۔

شبیر احمد روشن کے افسانوں میں گہرا زخم، چنگاری اور مظلوم لڑکی قابل ذکر ہیں۔ دیگر افسانے بھی کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ شبیر احمد روشن اختر پرویز کے بعد شہر کے دوسرے کامیاب افسانہ نگار ہیں۔ تقریباً ۱۰ رسال سے اردو افسانوی ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ شبیر احمد روشن کے افسانوں کی ابتداء بڑے منفرد انداز میں ہوتی ہے۔ وہ سادہ اور عام فہم زبان میں بات کرنے کے عادی ہیں۔

ڈاکٹر سیّد فاروق احمد راحیلؔ

ولادت ۲۳؍مارچ ۱۹۷۰ء

سید فاروق احمد نام اور راحیلؔ تخلص اختیار کرتے ہیں ۔ ان کے والد اسرار اللہ قادری ایک علم دوست انسان تھے ۔گھر کے تعلیمی ماحول کا اثر فاروق احمد پر بھی ہوا اور یہ بھی علم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کیے ۔

فاروق کو تحریری ذوق طالب علمی کے زمانے سے ہو گیا تھا ۔ یہ سلسلہ پہلے ہی آٹھویں جماعت ۱۹۸۴ء میں نثری ابتداء ''ذکر جمیل'' مضمون سے ہو گیا تھا ۔ جو بچوں کا ماہنامہ ''نور'' رامپور میں شائع ہوا تھا ۔ راحیلؔ نے تاریخ، طب، سوانح، تبصرے، طنز و مزاح اور تنقید جیسے مختلف النوع موضوعات پر مضامین لکھے، جو نزدیک و دور کے اخبارات و رسائل اور جرائد میں شائع ہوئے ۔ علم طب پر انگریزی میں بھی مضامین لکھتے ہیں ۔ یہ مضامین J.I.M.A کلکتہ اور ہومیو پیتھی گائڈ کشمیر وغیرہ انگریزی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ کچھ ادبی اور مزاحیہ مضامین اور چند کتابیں غیر شائع شدہ ہیں ۔

مزاحیہ مضامین کی چند عبارات پنڈت رتن ناتھ سرشار کی کتاب ''فسانۂ آزاد'' سے قریب ہے اور اکثر عبارتیں پطرس بخاری کی تقلید کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن جلد ہی وہ سرشار کی قربت اور پطرس کی تقلید سے دور ہو جاتے ہیں ۔ اسی کے ساتھ مختلف شخصیات کے علمی کارناموں پر تبصرے، طبی و تنقیدی مضامین سے ان کے وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے ۔

کتابیات

نمبر شمار	کتاب/رسائل وجرائد اخبارات/لغات	مصنف/مؤلف مرتب/مدیر	ناشر/مطبع/مقام اشاعت	سن اشاعت
۱	فرہنگ عامرہ	محمد عبداللہ خاں خویشگی	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۰۰ء
۲	ماہ نامہ۔ الہام		پونہ	۱۹۵۴ء
۳	مالوہ کی کہانی تاریخ کی زبانی	قاضی عبدالقدوس دیپالپوری	ضیاء پبلشرز لکھنؤ	۱۹۹۵ء
۴	ماہ نامہ معارف، جلد ۱۱۶، عدد ۲		اعظم گڑھ	اگست ۱۹۷۵ء
۵	ماہ نامہ عالمگیر جلد ۳۲، شمارہ ۳		لاہور	فروری ۱۹۴۰ء
۶	نظام الملک آصف جاہ اول	سید مراد علی طالع	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد	۱۹۴۴ء
۷	یادگارِ سلف	جاوید انصاری	سردار پریس مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
۸	مومن انصاری برادری کی تہذیبی تاریخ	ڈاکٹر محی الدین مومن	بھاوے پرائیویٹ لمیٹڈ بمبئی	مارچ ۱۹۹۴ء
۹	مجموعۂ کلام۔ میکدہ	ریاضی برہانپوری		مارچ ۱۹۷۲ء
۱۰	روزنامہ اردو ٹائمز	مختلف شمارے	ممبئی	
۱۱	مجموعۂ کلام۔ نیرنگِ دانش	محمد اسماعیل فہمی برہانپوری	ادبی سوسائٹی برہانپور	۱۹۷۶ء

۱۲	محبوب التواریخ (۱۳۰۶ھ) تذکرہ اولیائے دکن، جلد اول جدید ایڈیشن	صوفی عبدالجبار آصفی ملکاپوری	اسٹوڈینٹس بک ہاؤس حیدرآباد دکن	۲۰۰۱ء
۱۳	اردوئے قدیم	حکیم شمس اللہ قادری	مطبع نول کشور لکھنؤ	۱۹۲۹ء
۱۴	مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، جلد اول	مظہر محمود شیرانی	مجلسِ ترقی ادب لاہور	
۱۵	اورینٹل کالج میگزین	مختلف شمارے	لاہور	۱۹۳۰ء
۱۶	سہ ماہی اردو، جلد ۳۔۴		انجمن ترقی اردو کراچی	اکتوبر ۱۹۵۱ء
۱۷	سلکِ گہر	جاوید انصاری برہانپوری		۱۹۴۹ء
۱۸	ماہ نامہ سب رس	ڈاکٹر محی الدین زور نمبر	حیدرآباد دکن	۱۹۶۳ء
۱۹	ہفت روزہ ہماری زبان	(تمام شمارے)	دہلی	جنوری، ۱۹۵۸ء
۲۰	ہفت روزہ ہماری زبان	(تمام شمارے)	دہلی	فروری، ۱۹۵۸ء
۲۱	ولی گجراتی	ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی	ادبی پبلشرز بمبئی	مارچ، ۱۹۷۴ء
۲۲	رسالہ نور المعرفت	ولی شاعرِ ہندی	انجمنِ اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی	۱۹۵۰ء
۲۳	ہفت روزہ ہماری زبان	(تمام شمارے)		مارچ، ۱۹۶۷ء

۲۴	دکنی اردو	پروفیسر عبدالستار دلوی	قلم پبلیکیشن بمبئی	۱۹۸۷ء
۲۵	اردوادب کی تنقیدی تاریخ (چوتھاایڈیشن)	سیداحتشام حسین	قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان دہلی	۲۰۰۱ء
۲۶	ادبی تحقیق	ڈاکٹرجمیل جالبی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۹۶ء
۲۷	دکن میں اردو	نصیرالدین ہاشمی	مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباددکن	۱۹۲۶ء
۲۸	اردولسانیات	ڈاکٹر شوکت سبز واری	علی گڑھ بک ڈپو	۱۹۷۵ء
۲۹	زبان اور علم زبان	عبدالقادرسروری	انجمنِ ترقی اردو حیدر آباددکن	۱۹۵۶ء
۳۰	اردو کی ابتدائی نشو ونما مین صوفیائے کرام کا کام	بابائے اردو مولوی عبدالحق	انجمنِ ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۸۲ء
۳۱	گلستانِ خلدآباد	الحاج محمد عبدالحی		۲۰۰۱ء
۳۲	شاہ بہاؤ الدین باجن حیات اور گجری کلام	ڈاکٹرشیخ فرید	پیر محمد شاہ درگاہ ٹرسٹ احمدآباد	۱۹۹۲ء

۳۳	گہوارۂ علم دارالسرور برہان پور	مولوی معین الدین ندوی	سردار پریس مالیگاؤں	نومبر، ۱۹۷۸ء
۳۴	تاریخِ برہان پور	قاضی خلیل الرحمٰن برہانپوری	مجتبائی دہلی	۱۸۹۸ء
۳۵	تقویمِ ہجری وعیسوی	ابوالنصر محمد خالدی	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	مارچ ۱۹۷۷ء
۳۶	تاریخِ اولیائے کرام برہانپور	بشیر محمد خان ایڈوکیٹ	سحر آفسیٹ پونہ	۱۹۹۲ء
۳۷	شش ماہی مجلۂ علوم اسلامیہ		علی گڑھ	دسمبر، ۱۹۶۳ء
۳۸	رضالائبریری جرنل		رام پور	۱۹۸۹ء
۳۹	سہ ماہی اردوادب		علی گڑھ	جون، ۱۹۵۷ء
۴۰	سہ ماہی بہارستان		کھنڈوہ ربالاپور	متفرق شمارے
۴۱	فیضانِ متقی	جاوید انصاری	ادارہ ادبی سوسائٹی برہان پور	۱۹۸۶ء
۴۲	اخبارا لاخیار اردو (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)	مولانا سبحان محمود ر مولانا محمد فاضل	ادبی دنیا دہلی	۱۹۹۴ء
۴۳	علامات القیامہ (بار دوم)	مولوی خلیل الرحمٰن برہانپوری	نول کشور لکھنؤ	اکتوبر، ۱۸۹۶ء

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
۴۳	علامات القیامہ (بار دوم)	مولوی خلیل الرحمٰن برہانپوری	نول کشور لکھنؤ	اکتوبر، ۱۸۹۶ء
۴۴	فہرست مطبوعات، جلد اول	مولوی غلام رسول ر مولوی محمد اکبرالدین صدیقی	ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد دکن	جنوری، ۱۹۵۶ء
۴۵	شاہ کارِ فاروقیہ	جاوید انصاری		۱۹۵۵ء
۴۶	شاہ کارِ فاروقیہ (بارِ دوم)	جاوید انصاری	ادارہ ادبی سوسائٹی برہانپور	۱۹۸۲ء
۴۷	ملفوظاتِ حضرت شاہ بھکاری	منشی محمد فخرالدین	جمن کوثر پریس برہان پور	۱۳۴۳ھ/۱۹۲۲ء
۴۸	نغمۂ خونبار	کمال رمانی	کتابستان بمبئی	۱۳۷۴/۱۹۵۵ء
۴۹	جلیل مانک پوری حیات اور کارنامے	ڈاکٹر ذکی کاکوروی	مرکز ادب اردو لکھنؤ	۱۹۷۸ء
۵۰	ساغرِ جمیل	منشی نور محمد نواب کھنڈوی	جمن کوثر پریس برہان پور	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۵۱	مدھیہ پردیش میں اردو صحافت	قمر جمالی وغیرہ	سپرے سنگھرالیہ بھوپال	۱۹۸۹ء
۵۲	روزنامہ شانِ برہانپور	فضل صدیقی	برہان پور	۸۸-۱۹۸۷ء فائل
۵۳	ہفت روزہ ہماری زبان دہلی		دہلی	متفرق شمارے

۵۴	خاندیش کی ادبی تاریخ	پروفیسر اکبر رحمانی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	۲۰۰۲ء
۵۶	ریاضِ سرمدی/دیوانِ عاشق	منشی محمد خدا بخش عاشق مصطفیٰ آبادی برہان پوری	ابوالعلائی پریس آگرہ	۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء
۵۷	ہفت روزہ ندیم		بھوپال	متفرق شمارے
۵۸	جواہرِ ہاشمیہ	مولوی اختر محمد خان	نظام پریس حیدرآباد دکن	۱۹۳۸ء
۵۹	سہ ماہی اردو اورنگ آباد	انجمنِ ترقی اردو	اورنگ آباد دکن	اکتوبر، ۱۹۳۱ء
۶۰	برگِ سبز	مقبول نیازی	رحیمی پریس بمبئی ۸	۱۹۷۶ء
۶۱	مدھیہ پردیش میں اردو کے پچیس سال		ایم۔ پی اردو اکادمی بھوپال	۱۹۸۱ء
۶۲	مدھیہ پردیش میں اردو زبان وادب	پروفیسر آفاق احمد	ایم۔ پی اردو اکادمی بھوپال	۱۹۹۶ء
۶۳	سخنورانِ گجرات (دوسرا اڈیشن)	سید ظہیر الدین مدنی	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان	۱۹۹۶ء
۶۴	جشن زریں نمبر		اسماعیل یوسف کالج بمبئی	

۶۵	اردواسیز (بارِسوم)	سید ظہیر الدین مدنی	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی	فروری ۱۹۷۰ء
۶۶	میاں داد خاں سیاح اور انکا کلام (باراول)	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	سب رس کتاب گھر حیدرآباد دکن	۱۹۵۷ء
۶۷	آثارِ فاروقیہ	جاوید انصاری		۱۹۷۹ء
۶۸	فیضِ روحانی	جاوید انصاری برہان پوری		۱۹۸۰ء
۶۹	سوانح حیات حکیم بھوپالی	محمد سعید صدیقی	پرفیکٹ گرافکس برہانپور	۱۹۹۹ء
۷۰	ماہ نامہ بانو (قرآن نمبر)		دہلی	فروری مارچ ۱۹۵۰ء
۷۱	سہ ماہی نوائے ادب		انجمنِ اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی	متفرق شمارے
۷۲	ماہ نامہ نسیمِ بہار		برہان پور	چند شمارے
۷۳	روز نامہ ندیم (برہانپور اردو تعلیمی کانفرنس نمبر)		بھوپال	۲۵،۲۶ مارچ ۱۹۹۵ء
۷۴	اسلامی فرقوں کا اصل اسلام سے انحراف	کیکا بھائی محمد نورالہدیٰ ایڈوکیٹ		مئی، ۲۰۰۱ء

۷۵	کیا ہندو دھرم بھی اسلام تھا؟	محمد نور الہدیٰ		۲۰۰۴ء
۷۶	اسلام اور عورت	محمد نور الہدیٰ ایڈوکیٹ		جنوری ۲۰۰۶ء
۷۷	اللہ تعالیٰ کے فرمان بذریعہ قرآنِ پاک	محمد نور الہدیٰ ایڈوکیٹ		فروری ۲۰۰۷ء
۷۸	مجموعہ کلام۔ ٹکڑے ٹکڑے آئینہ	نذیر آثر برہان پوری		دسمبر ۱۹۹۵ء
۷۹	آفتاب جدید اخبار		بھوپال	متفرق شمارے
۸۰	ماہ نامہ شجر	مدیر اندرسیین آثر	برہان پور	۱۹۶۸_۶۷ء
۸۱	روز نامہ انقلاب		بمبئی	متفرق شمارے
۸۲	ہفت روزہ اخبار عالم		بمبئی	متفرق شمارے
۸۵	خون پھر خون ہے	اختر پرویز	عوامی پریس مالیگاؤں	۱۹۹۲ء
۸۶	گل آرا بیگم	ناول نگار شرد پگارے	مترجم سراج احمد انصاری	غیر مطبوعہ
۸۷	ہفت روزہ برہان پور ٹائمز	معاون مدیر اختر آصف	برہان پور	۸۸_۱۹۸۷ء فائل
۸۸	ہفت روزہ الم نشرح		برہان پور	۰۳_۲۰۰۲ء فائل

۸۹	مجموعۂ کلام۔عروس غزل	اسیر امیدی برہان پوری	گلاب آفسیٹ پریس دہلی	۱۹۹۳ء
۹۰	سہ ماہی۔نویدِ نو	اسیر برہانپوری/آثر صدیقی	مالیگاؤں	اگست ۱۹۷۱ء
۹۱	سہ ماہی۔خبر نامہ	مدھیہ پردیش اردو کادمی	بھوپال	۱۹۹۳۔۹۴ء فائل
۹۲	سہ ماہی۔تمثیل	مدھیہ پردیش اردو اکادمی	بھوپال	۲۰۰۶۔۰۱ء فائل
۹۳	تاریخِ خانوادۂ...	ڈاکٹر سید شرف الدین	تاج آفسیٹ پریس برہان پور	۱۹۹۹ء
۹۴	ہفت روزہ۔حرف حرف آئینہ	اقبال انصاری/اے، اے،آزاد	برہان پور	۱۹۸۸ء فائل
۹۵	ماہ نامہ۔پیامِ تعلیم		دہلی	۱۹۸۶ء فائل
۹۶	ماہ نامہ۔نرالی دینا		دہلی	۱۹۹۲ء فائل
۹۷	ماہ نامہ۔ہمارے نونہال		حیدرآباد دکن	۱۹۹۵ء فائل
۹۸	نعتیہ مجموعہ:جلوۂ نور	بسم اللہ عدیم	ممتاز اسکرین پرنٹرس برہان پور	۲۰۰۳ء
۹۹	مجموعہ کلام۔خوشبو تیرے وجود کی	ڈاکٹر رشید آثار	مجمدار ایجوکیشن ٹرسٹ وہور	۲۰۰۶ء

Scanned by CamScanner

۱۰۰	اسیر حرص اور اسکا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر محمد شفیع مکرانی	اردو پبلیشرز لکھنؤ	جولائی ۱۹۸۴ء
۱۰۱	گلزارِ نسیم اور اسکا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد شفیع مکرانی	اردو پبلیشرز لکھنؤ	۱۹۸۴ء
۱۰۲	نظیر اکبر آبادی کی منتخب نظمیں	ڈاکٹر محمد شفیع	اردو پبلیشرز لکھنؤ	۱۹۸۵ء
۱۰۳	نظیر اکبر آبادی کی منتخب نظمیں (بارِ دوم)	ڈاکٹر محمد شفیع	اردو پبلیشرز لکھنؤ	۲۰۰۵ء
۱۰۴	چکبست کی منتخب نظمیں	ڈاکٹر محمد شفیع	اردو پبلیشرز لکھنؤ	۱۹۸۵ء
۱۰۵	آغا حشر اور انکے ڈراموں کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر محمد شفیع	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۸۸ء
۱۰۶	مضامینِ شفیع	ڈاکٹر محمد شفیع	ایم۔ پی، اردو اکادمی بھوپال	۱۹۹۸ء
۱۰۷	ماہ نامہ کہکشاں		بمبئی	متفرق شمارے
۱۰۸	ہفت روزہ امیر احرار		اندور	۱۹۹۹ء فائل
۱۰۹	مجموعۂ کلام۔صدف	خلیق برہانپوری	ایم ۔پی اردو اکادمی بھوپال	۱۹۸۷ء
۱۱۰	پندرہ روزہ۔پاکیزہ آنچل		دہلی	۱۹۸۹ء

۱۱۲	سرجن میگزین		سیوا سدن کالج برہان پور	۱۹۹۵ء سے تاحال
۱۱۳	مدوجذر	زبیر احمد انصاری	الکمال اردو فاؤنڈیشن بمبئی	۲۰۰۰ء
۱۱۴	سالانہ میگزین		سیفیہ قادریہ کالج برہانپور	مختلف میگزین
۱۱۵	ماہنامہ۔باجی		دہلی	۱۹۹۱ء
۱۱۶	روزنامہ۔شانِ برہان پور		برہان پور	۱۹۸۷ء فائل
۱۱۷	روزنامہ۔انقلاب		بمبئی	متفرق شمارے
۱۱۸	ماہنامہ۔تکلّم پونہ		پونہ	جولائی ۱۹۹۶ء
۱۱۹	ماہنامہ۔گلہائے خنداں		رام پور	جنوری ۱۹۹۷ء
۱۲۰	ماہنامہ۔پیش رفت		دہلی	متفرق شمارے
۱۲۱	ماہنامہ۔شائستہ جبیں		دہلی	متفرق شمارے
۱۲۲	نئی امنگیں (مشترکہ مجموعۂ کلام شعرائے برہانپور)	بزم فروغ اردو برہان پور	عوامی پریس مالیگاؤں	اپریل ۱۹۹۶ء
۱۲۳	غوشۂ نشاط	ڈاکٹر سجاد حسین جعفری	سیدہ گرافکس برہان پور	نومبر ۲۰۱۱ء
۱۲۴	دربارِ اکبری	مولانا محمد حسین آزاد		
۱۲۵	تاریخ خاندیش.....	اکبر رحمانی		۱۹۹۴ء

نام کتاب	مؤلف ومصنف	سن اشاعت
اردو مرثیہ (تاریخ مرثیہ)	سفارش حسین رضوی	۱۹۶۵ء
مرجن (کالج میگزین)	سیوا سدن کالج برہان پور	
ویران تاج محل (ممتاز محل کا عارضی مدفن)	ڈاکٹر شیخ فرید	
تاریخ خانوادہ	ڈاکٹر سید شرف الدین پیرزادہ	
نوائے ادب بمبئی (مضمون)	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۱۹۷۴ء
تاریخ فرشتہ (جلد دوم)	محمد قاسم فرشتہ	
بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	
بزم تیموریہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	
عبدالرحیم خانخاناں	شیخ سلیم احمد	

انٹرویو، ملاقات، گفتگو

۱) جناب مخدوم جابر برہانی صاحب۔ معمر ادبی شخصیت۔ برہان پور
۲) جناب حکیم محمد نصیر انصاری۔ لوہار منڈی روڈ برہان پور
۳) جناب اختر پرویز۔ مشہور افسانہ نگار، محقق۔ برہان پور
۴) جناب نورالہدیٰ ایڈوکیٹ۔ برہان پور
۵) جناب الطاف احمد انصاری ایڈوکیٹ۔ منیجر ماہ نامہ شجر برہان پور
۶) جناب مولانا حبیب اللہ صاحب۔ پڑوسی غازی بن عبداللہ۔ محلہ داؤد پورہ، برہان پور
۷) جناب محمد شفیع شیخ صاحب، معمار۔ بھتیجے غازی بن عبداللہ۔ فلیٹ ۵۸، روم ۵۹، گیٹ ۸، مالونی کالونی، ملاڈ، ویسٹ۔ ممبئی ۹۸
۸) جناب حاجی محمد الیاس ابن سعد اللہ میاں جی۔ حریر پورہ۔ برہان پور
۹) منصور احمد ابن ابواللیث صاحب۔ خانقاہ وارڈ۔ برہان پور
۱۰) جناب اختر آصف صاحب۔ شاعر و مدیر، برہان پور
۱۱) ڈاکٹر محمد شفیع صاحب مہوبوی۔ صدر شعبۂ اردو، سیوا سدن کالج۔ برہان پور
۱۲) جناب سید فاروق احمد راحیل صاحب۔ برہان پور
۱۳) جناب جمیل اصغر صاحب، برہان پور
۱۴) ڈاکٹر ذوالفقار عباس جعفری، برہان پور
۱۵) جناب سعید صدیقی صاحب، برہان پور
۱۶) جناب ماسٹر ریحان انور صاحب
۱۷) جناب ڈاکٹر سید شرف الدین پیرزادہ صاحب
۱۸) جناب وصال الدین احمد صاحب، مالک رشید بک ڈپو، برہان پور
۱۹) جناب عزیز احمد خان صاحب (ابن رفیق احمد خان بن مولوی افتخار احمد خلیل)

کوائف

نام : وسیم افتخار

والد کا نام : افضال احمد انصاری ابن صدیق اکبر

والدہ کا نام : سعیدہ فرحت انصاری

تاریخ پیدائش و مقام : ۱۰/اپریل ۱۹۷۹ برہان پور (ایم. پی)

پتہ برہان پور : 366/25B مومن جماعت خانہ روڈ، انصار نگر برہان پور 450331

پتہ اندور : 15/3 رانی پورہ اندور (ایم. پی) 452007

موبائل نمبر : 098273-33039

ای میل : waseemansari1979@rediffmail.com/waseemansari1979@gmail.com

تعلیم :
☆ گورنمنٹ لوہار منڈی پرائمری اردو اسکول ۲ برہان پور
☆ مڈل، ہائی، ہائیر سیکنڈری۔ نیشنل ہائیر سیکنڈری اسکول (افتخار انصار اسکول)
☆ بی. اے سیوا سدن کالج برہان پور (فارسی، اردو، سیاسیات ۲۰۰۲ء)
☆ ایم. اے اردو اسلامیہ کریمیہ کالج اندور (یونیورسٹی ٹاپر ۲۰۰۴ء)
☆ پی ایچ. ڈی اردو زیر نگرانی ڈاکٹر حدیث انصاری (مقالہ مکمل)

دیگر :
☆ کمپیوٹرڈ پلوما۔ کلاتھ ڈائی ڈیزائن
☆ یو. جی. سی. نیٹ (اردو) دسمبر ۲۰۰۴ء میں کوالیفائڈ

ملازمت :
(۱) اسلامیہ کریمیہ گرلس اسکول اندور اپریل تا جون ۲۰۰۴ء
(۲) سینٹ عمر ہائیر سیکنڈری اسکول اندور جولائی ۲۰۰۴ء تا اگست ۲۰۰۵ء
(۳) مہمان اسسٹنٹ پروفیسر اردو گورنمنٹ پی. جی. کالج کھرگون اگست ۲۰۰۵ء تا جولائی ۲۰۰۸ء
(۴) مہمان اسسٹنٹ پروفیسر اردو۔ گورنمنٹ اولڈ جی ڈی سی اندور اگست ۲۰۰۸ء تا جنوری ۲۰۰۹ء

مستقل تقرری	:	پی.ایس.سی سے منتخب ہوکر ہائیر ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ (بھوپال) کے ذریعے ۱۶؍فروری ۲۰۰۹ء
	:	کواسسٹنٹ پروفیسر اردو کی حیثیت سے گورنمنٹ مہارانی لکشمی بائی گرلس پی جی کالج اندور میں مستقل تقرری عمل میں آئی۔
انعامات	:	نعت، غزل، گیت، تحریری، تقریری، خوش نویسی اور جنرل نالج کے مقابلوں میں کئی انعامات اور توصیفی اسناد (۹؍سال کی عمر میں نعت خوانی کے ذریعے ابتداء ہوئی)
نثرنگاری کا آغاز	:	تقریباً ۱۹۹۰ء میں مدرسہ فیض العلوم کے سالانہ اجلاس کے تقریری مقابلے میں اوّل مقام حاصل ہوا۔ پھر چھٹی جماعت سے نیشنل اسکول کے مختلف تحریری وتقریری مقابلوں میں شمولیت کے علاوہ برہان پور میں سیرت کمیٹی، پی یو ایل ایس، این یو ایل ایس، ایس یو سی پی۔ وغیرہ جیسی کئی انجمنوں اور کمیٹی کے ذریعے باقاعدہ تحریری وتقریری مقابلے منعقد ہوتے رہتے تھے۔ ان مقابلوں میں حصہ لینے کے علاوہ جناب جمیل اصغر اور ایڈوکیٹ خلیل احمد انصاری صاحبان سے قرابت، نیز گھر میں دادا صدیق اکبر صاحب خطوط ومضامین تحریر کرتے، جس کے اثرات بالواسطہ یا بلا واسطہ مجھ پر پڑے... اسی وجہ سے توجہ نثر کی طرف مبذول ہوئی۔
مضامین ومقالات	:	دو درجن سے زائد مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں (۴؍اپریل ۲۰۰۴ء کو پہلا مضمون "محبِ وطن اقبالؔ" روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی میں شائع ہوا۔
سمینار، ورک شاپ	:	تقریباً ۱۰؍سمینار میں مقالات پیش کئے۔ ورک شاپ میں شمولیت رہی۔
تبصرے، تاثرات	:	نصف درجن تبصرے وتاثرات شائع ہو چکے ہیں۔

Burhanpur Main Urdu Nasr Nigari

Maazi Aur Haal ke Aaine Main

By: Waseem Iftekhar Ansari



قدرت نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ رسولِ برحق ﷺ نے علم کی فرضیت کا مبارک اعلان کیا۔ قلم اور علم سے حسب استطاعت و توفیق سب نے اپنا اپنا حصہ حاصل کیا۔ علم نے انسان کو انسانیت اور بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ جامع الصفات بنایا۔ قلم، انسان کے علمی تعارف اور شناخت کا ذریعہ اور اس کی خوبیوں اور صلاحیتوں کے اظہار کا مضبوط وسیلہ بنا۔ گویا قلم اور علم دونوں انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں۔

حسب صلاحیت و استطاعت و توفیق، حصول قلم و علم کا سرمایہ، کتابی صورت میں زیر نظر مقالہ "برہانپور میں اردو نثر نگاری" زیور طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔

اردو دنیائے شعر و ادب کی مشہور و معروف شخصیت حضرت خلیق برہانپوری کے خاندان کا روشن چراغ اور خلیق صاحب کے برادرِ اصغر مقبول و ممتاز سیاسی، سماجی و ادبی خدمتگار جناب صدیق اکبر کے نبیرہ، عزیزم وسیم افتخار /۱۳۹۸ھ افضال احمد کا ۳۵ سالہ عمر میں پرائمری اردو سے ایم اے اور پی ایچ ڈی تک کے سفر کا یہ خوش آئند پہلا پڑاؤ ہے۔ جو براہ راست قلم اور علم سے عبارت ہے۔

اور اس وقت یہی اس کے تعارف و شناخت کا بامعنی حوالہ ہے

عمر کے اس موڑ سے آگے کی منزلیں۔ خوبیوں اور صلاحیتوں میں مزید اضافہ، شعوری پختگی، فکر و نظر میں بالیدگی اور زبان و بیان میں مزید قدرت و توانائی عطا کرتی ہیں۔ یہ کتاب عزیز گرامی کی قلمی و علمی کاوشوں کا نقش اول ہے۔ میں خوش دلی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتا ہوں اور عزیزم کے ۳۵ سالہ عمر کے تیز رفتار نتیجہ خیز سفر پر اسے مبارکباد دیتے ہوئے دعا گو ہوں---- اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

جمیل اصغر برہانپور
۱۲ر نومبر ۲۰۱۲ء

Printed By Sayyada Graphics
Desining By Shahid Raza Jafri 9303275540, 9754466523